اقبال اور دبستانِ شبلی

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

(رفیق اعزازی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی)

ادبی دائرہ اعظم گڑھ

اقبال اور دبستان شبلی

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

(سلسلہ مطبوعات ادبی دائرہ نمبر-۲۰)

- نام کتاب: اقبال اور دبستان شبلی
- مصنف : ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی
- ناشر : مصنف
- مطبع : اصیلہ پرنٹرس، دہلی
- طبع اول: اگست ۲۰۱۵ء
- صفحات : ۲۰۰
- قیمت : Rs: 200/-

ملنے کے پتے

۱۔ دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، شبلی روڈ، اعظم گڑھ، یوپی، ۲۷۶۰۰۱

۲۔ ادبی دائرہ، رحمت نگر (عقب آواس وکاس کالونی) اعظم گڑھ، ۲۷۶۰۰۱

یہ کتاب

اتر پردیش اردو اکادمی کے مالی اشتراک سے شائع ہوئی۔

اس کتاب کے مندرجات سے اتر پردیش اردو اکادمی کا متفق ہونا

ضروری نہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

شریک حیات

شائستہ ریاض فلاحی

کی نذر

ترتیب

دیباچہ

علامہ اقبال جیسے عبقری صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں، جو اپنے فہم وشعور اور فکر وفلسفہ سے ایک نئی دنیا آباد کرتے ہیں۔ علامہ اقبال نے بھی عام شاہراہوں سے جدا ایک نئی شاہراہ اور ایک نئی دنیا آباد کی اور ملک وملت میں انقلاب برپا کر دیا۔ ملک وملت کو زبوں حالی سے نکالنے اور اس میں ایک نئی روح پھونکنے کی کوشش کی، نیز روشن اور تابناک مستقبل کی بشارت بھی دی، اس معاملہ میں وہ اپنے معاصرین میں سب پر فائق ہیں۔ صدی گذرنے کو ہے مگر اب تک کوئی ان کا ثانی پیدا نہیں ہوا۔ واقعہ یہ کہ وہ اپنے عہد کے سب سے بالغ نظر مفکر اور فلسفی شاعر تھے۔

علامہ اقبال کا دائرہ اثر بے حد وسیع ہے جس میں ان کے بلند رتبہ بزرگ بھی شامل ہیں اور علوم ومعارف کے نکتہ شناس معاصرین بھی۔ مسلمان بھی ہیں اور غیر مسلم مفکرین بھی، انہی وسعتوں اور اثر انگیزیوں کی ایک مختصر داستان اس کتاب کا عنوان ہے۔

کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ علامہ شبلی اور علامہ اقبال میں گہرے مراسم تھے۔ علامہ اقبال کی پہلی کتاب علم الاقتصاد کی اصلاح علامہ شبلی نے کی تھی۔ ۱۹۱۱ء میں انہیں علامہ شبلی ہی کی طرف سے ''ترجمان حقیقت'' کا خطاب ملا اور انہوں نے ان کے ایک بڑے شاعر ہونے کی پیشین گوئی تھی کہ آزاد اور حالی کی خالی ہونے والی کرسیاں اقبال سے پر ہوں گی۔

علامہ شبلی نے ۱۹۱۴ء میں وفات پائی اور ان کے جانشین مولانا سید سلیمان ندوی ہوئے تو علامہ اقبال کے ان سے بھی محبت آمیز تعلقات استوار ہوئے جو آخر دم تک قائم رہے۔

۱۹۳۸ء میں علامہ اقبال نے اس جہان فانی سے رخت سفر باندھا تو سید سلیمان نے ان کا ایسا ماتم کیا کہ شاید ہی کسی اور نے ان کا ایسا ماتم کیا ہوگا۔

ان کے ایک دوسرے سے گہرے مراسم کی داستان ان کی خط وکتابت سے بھی ظاہر ہوتی ہے اسی بنا پر دونوں کے تعلقات کے ذکر کے ساتھ ان خطوط کو بھی اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے جو علامہ اقبال نے مولانا سید سلیمان ندوی کو لکھے تھے اور جو اقبال نامہ میں شامل ہیں، اشاعت کے وقت ان خطوط پر مولانا سید سلیمان ندوی نے چند حواشی لکھے تھے انہیں بھی جوں کا توں شامل کیا گیا ہے۔ان سے نہ صرف سید صاحب بلکہ دبستان شبلی سے علامہ اقبال کی گہری دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے۔

دبستان شبلی سے اسی تعلق کا نتیجہ تھا کہ علامہ شبلی کے ایک اور شاگرد مولانا عبدالسلام ندوی نے ''اقبال کامل'' جیسی معرکتہ الآراء اور مایہ ناز کتاب لکھی جو اقبال کے فکروفن کا ایک دلآویز مرقع اور آزاد ہندوستان میں اقبال پر لکھی جانے والی پہلی کتاب ہے۔۱۹۴۹ء میں مولانا سید سلیمان ندوی کے سفر پاکستان اور وہاں کے قیام کے بعد دارالمصنّفین کی نظامت شاہ معین الدین احمد ندوی نے سنبھالی۔ وہ بھی اقبال کے بڑے پرستار اور شیفتہ وشیدا تھے۔ عقیدت اقبال انہیں ورثہ میں ملی تھی۔یہی وجہ ہے کہ جب بعض ناعاقبت اندیشوں نے اقبال کو فرقہ پرست شاعر قرار دیا تو اس کے جواب میں شاہ صاحب کا قلم نیام سے باہر آیا اور ان کا بڑا مسکت ، مدلل اور مفصل جواب لکھا۔علاوہ ازیں انہوں نے ایک طویل مقالہ میں اقبال کی تعلیمات کی توضیح وتشریح بھی کی ہے جو تعلیمات اقبال کی بڑی عمدہ ترجمانی ہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی دبستان شبلی ہی کے ایک ممتاز فرد تھے۔انہوں نے اقبال پر اگرچہ کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی تاہم وہ اپنے رسائل ہفتہ وار سچ،صدق اور صدق جدید کے ذریعہ اقبال شناسی کا کام بڑے پیمانہ پر انجام دیا،ان کا ذکر اس کتاب میں ''اقبالیات ماجد'' کے حوالہ سے کیا گیا ہے۔

دارالمصنّفین کے دفتر سے وابستہ یحییٰ اعظمی بڑے پختہ مشق ،قادرالکلام اور صاحب

دیوان شاعر تھے۔انہیں اقبال سے اس قدر عقیدت تھی کہ علامہ کی وفات کی خبر سن کر بے اختیار رو پڑے۔اس عقیدت میں وہ ہمیشہ سرشار رہے اور اقبال پر متعدد منظومات ومراثی کہے، جو ان کے مجموعہ کلام ''نوائے حیات'' میں شامل ہیں۔

۱۹۷۴ء میں شاہ معین الدین صاحب کی وفات کے بعد دارالمصنّفین کی زمام کار سید صباح الدین عبدالرحمٰن کے ہاتھوں میں آئی۔وہ بھی اقبال کے بڑے شیدائی اور پرستار تھے۔ دور طالب علمی میں اقبال کے دیدار اور پیام کا شرف حاصل کر چکے تھے۔وہ آخر تک عقیدت اقبال میں سرشار اور اقبال شناسی کا فرض ادا کرتے رہے۔اس طرح گویا شبلی اور دبستان شبلی کا ہر ممتاز فرد اقبال کا شیدائی تھا۔زیر نظر کتاب میں اسی شیفتگی کی داستان بیان کی گئی ہے۔

جولائی ۱۹۱۶ء میں علامہ شبلی کی خواہش کے مطابق مولانا سید سلیمان ندوی نے دارالمصنّفین کا ترجمان ماہنامہ معارف جاری کیا۔اس وقت سے آج تک یہ رسالہ بلاناغہ جاری ہے۔اب اس کی حیثیت کسی انسائیکلوپیڈیا سے کم نہیں۔اس کے بانی مدیر مولانا سید سلیمان ندوی تھے اور موجودہ مدیر پروفیسر اشتیاق احمد ظلی صاحب ہیں۔ابتدا سے اس کے ہر مدیر نے اقبالیات کو اولیت اور اہمیت دی۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ''اقبالیات معارف'' ایک بڑے خزانے کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔اگر اس کے انتخابات شائع کئے جائیں تو اقبالیات معارف کی کئی جلدیں شائع ہوسکتی ہیں۔معارف کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں خود علامہ اقبال نے اپنی بعض نگارشات اشاعت کے لئے بھیجیں اور وہ اہتمام سے شائع ہوئیں۔ ان کے مجموعہائے کلام کے تعارف وتبصرے اور تجزئے بھی شائع ہوتے رہے۔علاوہ ازیں ہندوپاک کے ممتاز اقبال شناسوں کی تحریریں بھی اس کے صفحات کی زینت بنیں۔اس کتاب میں اس کا ایک مکمل اشاریہ شامل کیا گیا ہے۔اقبالیاتی ادب پر جو کتابیں ہندوپاک سے شائع ہوئیں ان میں تقریباً بیش تر کا تعارف ماہنامہ معارف میں شائع ہوا ہے۔زیر نظر کتاب میں اس کا بھی ایک اشاریہ شامل کیا گیا ہے۔غرض دبستان شبلی نے جس نوع سے بھی اقبالیات سے شغف رکھا اور جو کوششیں اور کاوشیں کیں اس کی ایک ایک تفصیل اس کتاب میں سمونے کی

کوشش کی گئی ہے۔اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو یہ کتاب صرف دبستان شبلی ہی کی اقبالیاتی کاوشوں کے ذکر پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اس کے جلو میں اقبالیاتی ادب کی بعض دیگر کاوشوں کا ذکر بھی آ گیا ہے۔

۲۰۱۴ء شبلی صدی کا سال ہے، اس مناسبت سے مطالعات شبلی کا آغاز ہو چکا ہے اور آئندہ بھی بہت کچھ ہونے کی توقع ہے یہ کتاب بھی اگر اس سلسلہ کا حصہ تسلیم کر لی جائی تو مصنف کے لئے بے حد خوشی کی بات ہوگی اور میں خیال کروں گا کہ جو محنت میں نے اس سلسلہ میں کی ہے وہ کارآمد ہوگئی۔

محمد الیاس الاعظمی

۱۳؍جون ۲۰۱۴ء

اقبال اور دبستان شبلی

علامہ شبلی علیہ الرحمہ (۴؍جون ۱۸۵۷ء۔۱۸؍نومبر۱۹۱۴ء) کا ایک اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے ایسے افراد کی علمی تربیت اور ذہن سازی کی جو ان کے مشن کو جاری رکھ سکیں۔اسلام پر ہونے والے ناروا اعتراضات کا رد کر سکیں ۔ یورپ بالخصوص مستشرقین کے مسکت جوابات دے سکیں۔ چنانچہ وہ اسی مقصد کے حصول کے لئے تحریک ندوہ سے وابستہ ہوئے۔اسی مقصد سے انہوں نے ماہنامہ الندوہ جاری کیا اور اسی مقصد کے تحت مرکز تصنیف دارالمصنّفین کی بنیاد رکھی ۔یہی وجہ ہے کہ وہ علم و تحقیق ،سیرت وسوانح ،طبقات وتراجم ،شعر و ادب اور تعلیم و سیاست کے میدان میں ہم خیال علماء وفضلاء اور دانشوروں کی ایک معتبر جماعت تیار کرنے میں کامیاب رہے۔ان کے تلامذہ میں مولانا حمیدالدین فراہیؒ ،مولانا سید سلیمان ندوی ،مولانا عبدالسلام ندوی ،مولانا عبدالباری ندوی ،مولوی اقبال احمد خاں سہیل ، مولوی مسعود علی ندوی ،مولوی شبلی متکلم ،مولانا ضیاء الحسن ندوی اور مولانا عبدالرحمٰن نگرامی وغیرہ وہ نمایاں نام ہیں جنہوں نے فکر شبلی کو زندگی بھر سینے سے لگائے رکھا۔ان کے علاوہ شبلی کے علی گڑھ کے تلامذہ میں مولانا شوکت علی ،مولانا محمد علی جوہر ،مولانا ظفر علی خاں ،سجاد حیدر یلدرم ، بابائے اردو مولوی عبدالحق ،خوشی محمد ناظر اور مستفیدین میں امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد ، مولانا عبدالماجد دریابادی ،مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی ،حسرت موہانی وغیرہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ یہ مذہب وسیاست ، درس وتدریس ،شعر وادب اور تحقیق وتدقیق کے میدان کے ایسے نام ہیں جنہیں ہماری تاریخ کبھی فراموش نہ کر سکے گی ۔اس سے بھی آگے

بڑھ کر ایک ایسا کاروان علم وادب بھی وجود میں آیا جس نے علامہ شبلی سے اگر چہ براہ راست استفادہ نہیں کیا تھا تاہم ان کے افکار وخیالات سے ہم آہنگ، موید، پیرو اور متبع تھا۔ اس طبقہ میں سب سے نمایاں نام حکیم الامت علامہ سر محمد اقبال (۹/نومبر ۱۸۷۷ء-۲۱/اپریل ۱۹۳۸ء) کا ہے۔ ڈاکٹر محمد ریاض نے اقبال کے پیش رو بزرگوں کے ذکر میں لکھا ہے کہ:

''انیسویں صدی کے پیش رؤں جیسے سر سید احمد خاں (م:۱۸۹۸ء) چراغ علی (م: ۱۸۹۵ء) اور اپنے جملہ بزرگ معاصرین مثلاً خواجہ الطاف حسین حالی (م: ۱۹۱۴ء) اکبرالہ آبادی (م:۱۹۲۱ء) غلام قادر گرامی (م: ۱۹۲۰ء) اور سید امیر علی (م:۱۹۲۸ء) وغیرہم سے اقبال نے گونا گوں تاثر لیا ہے مگر بحیثیت مجموعی شمس العلماء محمد شبلی نعمانی (م:۱۹۱۴ء) کی تصانیف کے بارے میں ان کا تاثر زیادہ گہرا اور متنوع نظر آتا ہے۔'' (۱)

سید افتخار حسین شاہ نے اپنی کتاب اقبال اور پیروی شبلی میں لکھا ہے کہ:

''میں شبلیات اور اقبالیات کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اقبال اپنی زندگی اور نظریات کے اعتبار سے مجموعی صورت میں اردو و فارسی کے اپنے پیش رو شاعروں اور نثر نگاروں میں سب سے زیادہ جس کے قریب نظر آتے ہیں وہ مولانا شبلی ہیں۔'' (۲)

حوالے

(۱) اقبال اور مشاہیر۔ص ۱۲۶

(۲) سید افتخار حسین شاہ، اقبال اور پیروی شبلی ص ۱۰-۱۱، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۱۹۷۸ء

اقبال اور شبلی

علامہ اقبال (۹ر نومبر ۱۸۷۷ء) عمر میں علامہ شبلی (۴ر جون ۱۸۵۷ء) سے بیس سال چھوٹے تھے۔ ان کے دور طالب علمی میں شبلی کے علم وفضل اور ان کی عظیم الشان تصنیفات و تحقیقات، مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم، المامون، سیرۃ النعمان، الجزیہ، کتب خانہ اسکندریہ اور الفاروق کا ہر طرف ڈنکا بج رہا تھا۔ سرسید احمد خاں، ڈپٹی نذیر احمد، منشی ذکاء اللہ دہلوی، مولانا الطاف حسین حالی اور عبدالحلیم شرر وغیرہ شبلی کے بزرگوں اور ہم عصروں نے شبلی کے ذوق علم و تحقیق، وسعت مطالعہ اور اسلوب نگارش کا برملا اعتراف کر کے عظمت شبلی سے پورے ملک کو روشناس کرا دیا تھا۔ شبلی کے روم ومصر وشام کے سفر اور سفر نامہ کی اشاعت نے جہاں انگریزی حکومت کو شکوک وشبہات میں مبتلا کر دیا تھا اور وہ شبلی کو ترکوں کا ایجنٹ اور جمال الدین افغانی کا ہم نوا خیال کر رہی تھی اور ترکی حکومت سے ملے تمغہ مجیدیہ کے استعمال پر پابندی لگا دی تھی۔ (۱) وہیں شبلی کے جذبہ اتحاد اسلامی کے سبب مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ جو حریت پسند اور قوم پرور خیالات کا حامل تھا ان کا والہ وشیدا ہو گیا تھا۔ غالبًا یہی زمانہ ہے جس میں اقبال علامہ شبلی سے متاثر ہوئے اور ان کے قریب آئے۔ انہوں نے پہلی کوشش یہ کی کہ علامہ شبلی کو مستقل طور پر پنجاب بلا لیں تاکہ ان کے علم وفضل سے اہل پنجاب مستقل طور پر مستفید ہو سکیں مگر بقول اقبال مسلمان امراء کی کم ذوقی کے سبب یہ کوشش بارآور نہ ہو سکی۔ (۲)

۱۹۰۳ء میں علامہ اقبال نے اپنی پہلی کتاب علم الاقتصاد لکھی جو اپنے موضوع پر اردو میں پہلی کتاب ہے۔ علامہ اقبال کی خواہش پر شبلی نے علم الاقتصاد کا مطالعہ کیا اور اس کے بعض

حصوں کی زبان و بیان کی تصحیح کی۔(۳) اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ علامہ اقبال ۱۹۰۳ء سے پہلے ہی علامہ شبلی کے علم وفضل اور ادب وانشا کے والہ وشیفتہ اور ان کا قرب حاصل کر چکے تھے۔

۱۹۰۱ء میں علامہ شبلی حکومت حیدرآباد کے سررشتہ علوم وفنون سے وابستہ ہوئے۔ یہاں انہوں نے سلسلہ کلامیہ کا آغاز کیا اور الغزالی، علم الکلام، الکلام اور سوانح مولانا روم جیسی اہم کلامی کتابیں لکھیں جو ۱۹۰۲ء سے ۱۹۰۶ء کے درمیان شائع ہوئیں۔ ۱۹۰۷ء میں علامہ اقبال نے ڈاکٹریٹ کا مقالہ ***The Development of Metaphysics In Parsia*** لکھا اور میونخ یونیورسٹی جرمنی کو پیش کیا جس پر انہیں Ph.D. کی سند تفویض ہوئی۔ یہ مقالہ ۱۹۰۸ء میں لوزک اینڈ کمپنی لندن نے شائع کیا۔ اس میں شبلی کی دو کتابوں الغزالی اور علم الکلام کا علامہ اقبال نے حوالہ دیا ہے۔(۴) یعنی ان کی نظر میں شبلی کی یہ کاوشیں اس لائق تھیں کہ انہیں آخذ و مراجع کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا۔ انگریزی زبان میں لکھی جانے والی یہ پہلی کتاب تھی جس میں علامہ شبلی کی کسی کتاب کا حوالہ دیا گیا، اس طرح جرمن اہل علم کے سامنے شبلی کا نام غالباً سب سے پہلے علامہ اقبال کے ذریعہ پہنچا۔

علامہ اقبال کا یہ مقالہ اردو میں فلسفہ عجم اور فارسی میں سیر فلسفہ در ایران کے نام سے شائع ہوا۔ گویا ایران میں بھی شبلی کا نام پہلے پہل علامہ اقبال کے مقالہ ہی کے ذریعہ پہنچا۔ واضح رہے کہ ایرانی شبلی شناس آقائی سید محمد تقی فخر داعی گیلانی (م:۱۹۶۳ء) جنہوں نے شبلی کی کئی کتابوں: شعرالعجم، سوانح مولانا روم، علم الکلام اور کتب خانہ اسکندریہ وغیرہ کا فارسی زبان میں ترجمہ کر کے تہران، ایران سے شائع کیا۔ انہوں نے گو ایران میں شبلی شناسی کا کام بڑے پیمانے پر انجام دیا تاہم واقعہ یہ ہے کہ ان کے ترجمے بلکہ تمام کاوشیں علامہ اقبال کے مقالہ کے بعد وجود میں آئیں۔

علامہ اقبال، مولانا روم، مثنوی معنوی اور ان کے فکر و فلسفہ کے بڑے عاشق تھے۔ یقین ہے کہ اقبال نے ''سوانح مولانا روم''، جس سے مشرق میں مطالعہ رومی کا آغاز ہوا، ضرور مطالعہ کیا ہوگا۔ اس لئے کہ علامہ شبلی کی یہ کتاب اس عام خیال سے کہ مولانا روم کی شخصیت محض

تصوف وسلوک سے عبارت تھی ہٹ کر لکھی گئی ہے اور دکھایا گیا ہے کہ مولانا روم علم کلام کے بڑے ماہر تھے اور ان کی مثنوی معنوی علم کلام کی بھی کتاب ہے۔(۵) سوانح مولانا روم سے اقبال کی دلچسپی ان کے ذوق ومزاج کی آئینہ دار ہے تاہم ان کی اس ذوق آفرینی میں شبلی کی کتاب نے بقول انا میری شمل غیر معمولی رول ادا کیا۔(۶) علامہ شبلی نے جبر وقدر، تجد دامثال اور دیگر کلامی مباحث پر روشنی ڈالی ہے چونکہ علامہ اقبال کوان موضوعات سے گہرا شغف تھا، اس لئے قیاس ہے کہ اقبال نے ان کی تحریروں سے ضرور کسب نور کیا ہوگا۔

۱۹۰۳ء میں علامہ شبلی انجمن ترقی اردو کے پہلے سکریٹری نامزد ہوئے۔انہوں نے انجمن کو ترقی دینے کی بھرپور کوشش کی۔انہی کی تحریک پر اخبارات کے ایڈیٹر انجمن کے رکن بنے۔اردو کی بہترین کتاب پر انعام دینے کا سلسلہ انہی نے شروع کیا۔ان کا اس سلسلے کا سب سے اہم کام اردو کتابوں کے ترجمے کا ہے۔انہوں نے ۱۴ر کتابوں کو ترجمے کے لئے منتخب کیا جس میں دو کتابیں فلسفہ تعلیم اور رہنمایان ہند شائع ہوسکیں۔چند کتابیں بعد میں شائع ہوئیں، اس سلسلہ کی ایک کتاب فلسفہ تعلیم کا ترجمہ خواجہ غلام الحسنین پانی پتی نے کیا ہے۔علامہ شبلی نے اسے جن چار اہل علم کے پاس ان کی رائے کے لئے بھیجا تھا، ان میں ایک علامہ اقبال بھی تھے۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کے یورپ جانے سے پہلے شبلی ان کی خوابیدہ صلاحیتوں سے واقف اور فلسفہ تعلیم کے ساتھ انگریزی واردو پر ان کی مشاقانہ نظر کے قائل ہو چکے تھے۔چنانچہ انہی چاروں اہل علم جن میں علامہ اقبال کے علاوہ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی بھی شامل تھے کے اتفاق رائے سے یہ ترجمہ اشاعت کے لئے منظور ہوا۔(۷)

۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۲ء کے درمیان شبلی کی شعر العجم کی چار جلدیں شائع ہوئیں۔پانچویں جلد شبلی کی وفات کے بعد شائع ہوئی۔اقبال نے یقینی طور پر ان کا مطالعہ کیا تھا اور وہ ان کے مداح تھے۔ظہور الدین مہجور نے کشمیر کے شعرائے فارسی کا تذکرہ لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا اور ایک خط میں علامہ اقبال سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے مشورہ دیا کہ یہ تذکرہ ضرور لکھئے مگر حروف تہجی کے اعتبار سے نہ لکھئے گا، بلکہ شعر العجم کی طرح شعرائے فارسی کی شاعری کا ناقدانہ جائزہ ہونا

چاہئے۔(۸) یہ اقبال کی زبان سے عظمت شبلی کے اعتراف کا ایک نمونہ ہے۔

۱۹۰۸ء میں شدھی تحریک کے زیر اثر ارتداد کا فتنہ اٹھا، اس کی سرکوبی کے لئے پوری طاقت سے علامہ شبلی بھی میدان میں آئے۔ شاہ جہاں پور، رائے بریلی اور بعض دیگر مقامات کے لئے پیر کی معذوری کے باوجود دورے کئے، انجام کار وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اس کے لئے ایک تنظیم کی ضرورت ہے، چنانچہ انہوں نے حفاظت و اشاعت اسلام کے نام سے ایک تنظیم کا منصوبہ بنایا، اس کا ایک مختصر خاکہ چھپوا کر بزرگان قوم کی خدمت میں بھیجا، جن لوگوں کے پاس یہ خاکہ انہوں نے بھیجا تھا ان میں علامہ اقبال کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ یہی نہیں ان کا نام ان حضرات میں بھی شامل ہے جنہوں نے ''اس سے اتفاق کیا اور ہر قسم کی شرکت کی آمادگی ظاہر کی۔''(۹)

اب تک ملت کے ان دونوں حدی خوانوں میں ملاقات نہ ہو سکی تھی۔ چنانچہ بیسویں صدی کے دوسرے دہے کے آغاز [۱۹۱۱ء] میں جب شبلی کے علم وکمال کا شہرہ نصف النہار پر تھا اور عظمت اقبال کے اعتراف کا سلسلہ قائم ہو چکا تھا۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس دہلی میں دونوں کی پہلی اور شاید آخری ملاقات ہوئی۔ اس اجلاس کی صدارت مولانا شاہ سلیمان پھلواروی [م: ۱ر جون ۱۹۳۵ء] نے کی تھی۔ علامہ اقبال اس میں نہ صرف شریک ہوئے بلکہ ایک اجلاس کی صدارت بھی کی۔ ایک مختصر تقریر اور اپنی نظم بلاد اسلامیہ کا وہ حصہ جو مدینہ منورہ سے متعلق ہے پڑھ کر سنایا۔ اسی اجلاس میں علامہ محمد اقبال کو کانفرنس کی طرف سے ''ترجمان حقیقت'' کا خطاب دیا گیا۔(۱۰) اس کانفرنس میں سجاد حیدر یلدرم جو علی گڑھ میں علامہ شبلی کے شاگرد رہ چکے تھے، ان کی خواہش پر علامہ شبلی نے علامہ اقبال کو پھولوں کا ہار پہنایا۔(۱۱) اور ایک مختصر تقریر کی یہی وہ پہلا موقع ہے جب شبلی نے اقبال کو دوسرے غالب ہونے کی بشارت دی تھی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ:

> ''یہ رسم کوئی معمولی رسم نہیں ہے اور اس کو محض تفریح تصور نہ کرنا چاہئے۔ ہم مسلمانوں کا یہ شعار رہا ہے کہ ہم جس قدر قوم کی دی ہوئی عزت اور خطابات کی

قدر کرتے رہے ہیں، اتنی کسی اور عزت کی شہرت ہمارے ناموں کی نہیں ہوئی۔
محقق طوسی وغیرہ کو اس زمانے کے سلاطین نے بڑے بڑے خطابات دئے لیکن
آج سوا کتابوں کے اوراق کے کسی زبان پر نہ چڑھ سکے لیکن قوم کی طرف سے
محقق کا جو خطاب دیا گیا تھا، وہ آج تک زبان زد خاص و عام ہے۔ جو عزت قوم
کی طرف سے آج ڈاکٹر اقبال کو دی جاتی ہے، وہ ان کے لئے بڑی عزت وتوقیر
کی بات ہے اور حقیقت میں وہ اس عزت کے مستحق ہیں۔ ڈاکٹر اقبال کا علم، ادب
اور ان کی شاعری کا مقابلہ غالب کی شاعری سے کیا جائے تو مبالغہ نہیں ہوسکتا۔''
(۱۲)

مولانا شاہ سلیمان پھلواروی نے اس رسم کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا کہ

''اقبال صاحب کے لئے یہ موقع بہت ہی مبارک ہے اور ہمیں بھی بڑی مسرت
ہے کہ اس جلسہ میں انہوں نے علامہ شبلی کے مقتدر ہاتھوں سے پھولوں کے ہار
پہنے، نام بھی مبارک، کام بھی مبارک، پھولوں کا ہار بھی مبارک اور ہار ڈالنے
والے کا ہاتھ دست کرم بھی مبارک۔''

(بحوالہ زندہ رود، حیات اقبال کا وسطی دور، ص ۱۵۵)

یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اپنے عہد کے اردو کے سب سے بڑے ادیب اور نقاد نے علامہ اقبال کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف ایک مجمع خواص میں کیا۔ اس سے جہاں اقبال کے اندر اعتماد پیدا ہوا ہوگا، وہیں یقیناً اقبال کی شیفتگی شبلی میں بھی اضافہ ہوا ہوگا۔ اس سے ایک اور بات واضح ہوکر سامنے آتی ہے کہ علامہ شبلی نے جس طرح علامہ حمیدالدین فراہی، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالسلام ندوی اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ کی موقع بہ موقع حوصلہ افزائی اور تربیت کی، اسی طرح علامہ اقبال کا بھی حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ:

''مولانا شبلی مرحوم نے اقبال کو اسی وقت پہچانا تھا جب ہنوز ان کی شاعری کے مرغ شہرت نے پر و بال نہیں پیدا کئے تھے ۔ چنانچہ انہوں نے پیشین گوئی کی تھی کہ حالی وآزاد کی جو کرسیاں خالی ہوں گی ان میں سے ایک اقبال کی نشست سے پر ہوجائے گی ۔(۱۳)

۱۹۱۲ء میں علامہ شبلی نے مجلس علم کلام بنائے جانے کی اپیل کی ۔ان کا خیال تھا کہ جدید علم کلام نامکمل اور ناقص ہے ،اس کی وجہ انہوں نے یہ بتائی کہ عباسیوں کے زمانہ میں جب فلسفہ اورعلوم عقلیہ کا رواج ہوا تو سیکڑوں ہزاروں اشخاص کے مذہبی عقائد متزلزل ہو گئے ۔ (۱۴) چنانچہ مسلمانوں میں علوم عقلیہ اورفلسفہ کے ماہرین پیدا ہوئے اورانہوں نے اس سیلاب کو روکا ۔موجودہ دور میں جب کہ یورپ کی تحقیقات عام ہورہی ہیں اور جدید خیالات قوم میں پھیل رہے ہیں علماء میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جس نے یورپ کا فلسفہ اور سائنس حاصل کیا ہو، (۱۵) اس لئے ضروری ہے کہ ایک کمیٹی ''مجلس علم کلام'' بنائی جائے جس میں قدیم علماء اور جدید تعلیم یافتہ دونوں گروہ کے لوگ ممبر ہوں ۔انہوں نے قدیم علماء میں مولوی مفتی عبداللہ ٹونکی ،مولوی شیر علی حیدر آباد ، سید محمد رشید رضا مصری ایڈیٹر المنار مصر کے نام ہیں جبکہ جدید تعلیم یافتوں میں ڈاکٹر اقبال بیرسٹر کا نام سرفہرست ہے ۔ان کے علاوہ مولوی حمیدالدین فراہی ،مولوی عبدالقادر کا نام بھی اس کمیٹی میں شامل ہے ۔علامہ اقبال نے شبلی کی خواہش پر اس مجلس کی ممبری قبول کر لی تھی جس پر شبلی نے اپنی خوشی کا اظہار کیا ۔(۱۶)

۱۹۱۲ء ہی میں علامہ شبلی نعمانی نے وقف علی الاولاد کے لئے قانون بنانے کی تحریک چلائی ،مختلف شہروں کا دورہ کیا اور ملک کے جن ممتاز اہل علم و دانش اور قانون دانوں سے رابطہ قائم کیا ان میں ایک اہم نام بیرسٹر علامہ اقبال کا بھی ہے ۔انہوں نے علامہ اقبال سے خط وکتابت کی ۔ وقف علی الاولاد کے سلسلہ میں وائسرائے سے ملاقات کے لئے جو وفد تجویز ہوا تھا علامہ شبلی نے اس میں بھی علامہ اقبال کو شامل کیا ۔اس سلسلے میں علامہ شبلی نے اقبال کو جو خط لکھا تھا وہ کہیں دستیاب نہیں ، البتہ اس کے جواب میں علامہ اقبال نے جو خط لکھا تھا وہ کلیات

مکاتیب اقبال میں شامل ہے۔(۱۷) یہ خط ۱۲/جنوری ۱۹۱۲ء کا ہے۔ علامہ لکھتے ہیں:

مخدوم و مکرم جناب قبلہ مولوی صاحب

السلام علیکم۔

آپ کا نوازش نامہ ملا۔ انجمن کا جلسہ ایسٹر کی تعطیلوں میں ہوگا، اگر وہاں کی شمولیت کے بعد میں لکھنؤ حاضر نہ ہو سکا تو ضرور حاضر خدمت ہوں گا۔

افسوس کہ ڈیپوٹیشن میں شریک ہونے سے قاصر ہوں۔ اگر آپ کا ارشاد ہو تو میں چودھری شہاب الدین بی.اے. وکیل چیف کورٹ سے دریافت کروں وہ نہایت قابل آدمی ہیں اور اس کام کے لئے اہل۔ اگر یہ پسند نہ ہوں تو نواب ذوالفقار علی خاں جو اس وقت کلکتہ میں ہیں آپ ان کو پنجاب کی طرف سے انتخاب کریں اور ان کو لکھ دیں کہ وہ ۲۹/جنوری تک کلکتہ ہی میں ٹھہریں۔ مسٹر محمد شفیع بیرسٹر لاہور بھی اس وقت کلکتہ میں ہیں، غالباً وہ بھی آپ کے لکھنے پر ۲۹/جنوری تک وہاں قیام کر سکیں گے۔ جو تجویز پسند خاطر ہو اس کو عمل میں لائیے، باقی خیریت ہے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال بیرسٹر لاہور

اس خط کے علاوہ علامہ اقبال کے کسی خط یا تحریر کا ذکر نہیں ملتا بلکہ علامہ شبلی نعمانی کی وفات [۱۸/نومبر ۱۹۱۴ء] تک دونوں کے درمیان ربط و تعلق کی کوئی تفصیل دستیاب نہیں۔

یہی وہ زمانہ ہے جب علامہ شبلی سیرۃ النبیؐ کی تالیف و تدوین میں ہمہ تن مصروف تھے۔ یہ کتاب ان کی وفات کے بعد ۱۹۱۸ء میں دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع ہوئی۔ تصنیفات شبلی میں سیرۃ النبیؐ شاہکار کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ اردو کی وہ مایہ ناز کتاب ہے جس کا جواب اردو تو کیا عربی و فارسی میں بھی مفقود ہے۔ شبلی کے اس معجزۂ علمی کا سارا زمانہ معترف ہے۔ علامہ اقبال بھی شبلی کے اس اعجاز کمال کے بڑے معترف و مداح تھے۔ انہوں نے ایک خط میں لکھا ہے کہ ''مولانا مرحوم نے مسلمانوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے جس کا صلہ دربار نبویؐ سے عطا

ہوگا۔''(۱۸)

شبلی و اقبال کی شخصیت کی نشو ونما اور تعلیم و تربیت میں بڑی یکسانیت پائی جاتی ہے، ذوق و مزاج اور فکر و خیال میں بھی بڑی ہم آہنگی ہے۔ان کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ چونکہ دونوں کا مقصد حیات ایک اور غور و فکر کا طرز و اسلوب بھی ایک تھا اور علامہ اقبال نے انہی قدروں کو ترقی دی جو دل شبلی کی آرزو تھیں۔اس لئے محققین اور اہل قلم نے اقبال کو پیروئے شبلی قرار دیا اور بلاشبہ شبلی کے افکار و نظریات کی مکمل عکاسی کلام اقبال سے ظاہر ہوتی ہے۔ عالم خوندمیری نے لکھا ہے کہ ملت میں سربلند ہونے کی جو تمنا ہمارے دلوں میں مچل رہی ہے اس تمنا کی چنگاری علامہ شبلی نے سلگائی تھی۔(۱۹) یہی نہیں انہوں نے شبلی کا اصل وارث ابوالکلام اور اقبال کو قرار دیا ہے۔(۲۰) ان کا یہ بھی خیال ہے کہ شبلی نے مرض کی صحیح تشخیص کی تھی مگر وہ نسخہ تجویز نہ کر سکے تھے۔یہ نسخے ابوالکلام اور اقبال نے تجویز کئے۔(۲۱)

ڈاکٹر سید افتخار حسین شاہ نے اپنی کتاب ''اقبال اور پیروی شبلی'' میں شبلی و اقبال کی سوانح زندگی اور فکر و فن میں جو مشترک قدریں ہیں، ان کا بڑی باریک بینی سے جائزہ لیا ہے۔ جسے انہوں نے انفرادی، اجتماعی اور نظریاتی تین حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر حصے کے ضمن میں متعدد دفعات قائم ہیں جن میں بعض بالکل بے مقصد اور بے بنیاد ہیں۔انہیں نظر انداز کرتے ہوئے یہاں محض ان پہلوؤں کی نشاندہی کی جاتی ہے جو واقعی سوانح شبلی و اقبال میں مماثل و مشترک ہیں۔

۱۔دونوں کے بزرگ تصوف سے دلچسپی رکھتے تھے۔

۲۔دونوں کی ابتدائی تعلیم دینی مدارس میں ہوئی۔شوق تعلیم اس قدر تھا کہ آبائی وطن سے دور جا کر دوسرے شہروں میں تعلیم حاصل کی۔

۳۔دونوں نے اردو، عربی، فارسی میں مہارت حاصل کی اور بعض مغربی زبان بھی سیکھی

۴۔دونوں فطری شاعر اور اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔

۵۔دونوں نے اردو فارسی میں شاعری کی دونوں کے کلام پر داغ کے اثرات ثبت

ہوئے۔

۶۔ دونوں کو ایسے اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل ہوا جو اپنے علم و فضل کے اعتبار سے ممتاز تھے اور جو ہر قابل کو نمایاں کرنے والے تھے۔

۷۔ دونوں کو پروفیسر آرنلڈ کی قربت حاصل ہوئی اور وہ دونوں سے بے انتہا تعلق رکھتے تھے اور دونوں نے ان کے متعلق اشعار کہے۔

۸۔ گذراوقات کے لئے دونوں نے معلّمی کا پیشہ اختیار کیا، دونوں نے وکالت کی۔ باوجود ان مصروفیات کے دونوں نے زیادہ وقت تصنیف و تالیف کے مشاغل میں گذارا۔

۹۔ دونوں کو انگریزی حکومت نے خطابات سے نوازا۔ ۱۸۹۳ء میں شبلی شمس العلماء بنے اور ۱۹۲۳ء میں علامہ اقبال ''سر'' بنائے گئے۔ لیکن ان خطابات سے ان کے سینوں میں عشق اسلام کی گرمی کم نہ ہوئی۔ اور دونوں نے انگریزی حکومت پر تنقیدیں کیں۔

۱۰۔ دونوں نے برصغیر کی علمی و ادبی سرگرمیوں اور سیاسی تحریکوں میں بھی حصہ لیا۔

۱۱۔ دونوں کو عالم اسلام کے سیاسی حالات سے دلچسپی رہی۔

۱۲۔ دونوں نے غیر ممالک کی سیر کی۔

۱۳۔ دونوں جمال الدین افغانی کی تحریک اتحاد اسلامی اور انگریز دشمنی کو سراہنے والے تھے۔

۱۴۔ دونوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ کام کیا۔ شبلی نے وقف علی الاولاد بل کے لئے ان کی مدد حاصل کی اور اقبال نے مسلم لیگ کی سرگرمیوں میں ان کا ساتھ دیا۔

۱۵۔ دونوں نے برصغیر کی مختلف علمی، ادبی اور سماجی انجمنوں یا اداروں کو کامیاب بنانے میں نمایاں حصہ لیا۔ مثلاً انجمن حمایت اسلام لاہور اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے مختلف ادوار میں دونوں کی وابستگی رہی۔ اس کے علاوہ شبلی نے انجمن ترقی اردو، انجمن خدام الدین، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دارالمصنّفین اعظم گڑھ کے لئے قابل قدر کام کیا تو اقبال نے جمعیت مرکزیہ تبلیغ الاسلام انبالہ، انٹر کالجیٹ مسلم برادرس لاہور، اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ لاہور

اور پٹھان کوٹ کے ادارہ دارالاسلام کے اغراض و مقاصد کی تکمیل میں دست راست ہونے کا ثبوت دیا۔

۱۶۔ دونوں تمام مسائل کا ضامن قرآن حکیم کو سمجھتے تھے اور رسول خدا کے عاشق تھے۔

۱۷۔ علمی نقطہ نظر سے دونوں مشرق اور مغرب سے استفادہ کے حق میں تھے۔

۱۸۔ دونوں ''ادب برائے ادب'' کے نہیں بلکہ ''ادب برائے زندگی'' کے نظریاتی اور عملی صورت میں قائل تھے۔

۱۹۔ بنیادی طور پر دونوں کی فکر اور طرز عمل ریسرچ اسکالرس جیسا تھا۔ حقائق تک پہنچنے کے لئے وہ دوسروں کو بھی یہی انداز اختیار کرنے کی دعوت دیتے تھے۔ نادر اور نایاب کتابوں کے متعلق جتنے حوالے شبلی اور اقبال کے مکتوب میں ملتے ہیں۔ شاید ہی کسی دوسرے کے مکاتیب میں ملیں۔

۲۰۔ دونوں فارسی شاعری کے دلدادہ اور مولانا روم کے مداح تھے۔ (۲۲)

علامہ اقبال کی شاعری میں فلسفہ اسلام، کلام و عقائد اور حیات ملی کے مباحث کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اسرار خودی اور رموز بے خودی میں بھی یہ مباحث شامل ہیں۔ بالخصوص رموز بے خودی جدید علم کلام کی ایک بہترین کتاب ہے۔ اس میں نبوت، توحید، ضرورت رسالت، قرآن پر ایمان رکھنے کے اسباب، حاجت قبلہ وغیرہ اعتقادی مسائل و مباحث نہایت مؤثر اور دل نشیں انداز میں بیان ہوئے ہیں۔ فلسفہ و کلام کے یہ مباحث اردو میں علمی انداز میں شبلی نے بلند آہنگی سے پیش کرنے کا سلسلہ قائم کیا تھا۔ علامہ اقبال نے ان مباحث کو بڑی وسعت و جامعیت کے ساتھ اپنی شاعری میں پیش کیا مگر شبلی کے تخیل سے اقبال کی پر پرواز بہت اعلیٰ، ارفع اور بلند ہے تاہم نقش اول شبلی ہی کے قلم کا اعجاز ہے۔

الکلام میں علامہ شبلی نے جبر و قدر کے موضوع پر جو بحث کی ہے اس کا پرتو جاوید نامہ میں بالکل صاف دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً فرماتے ہیں:

ہر کہ از تقدیر وارد شاز و برگ   نرد از نیردی او ابلیس و مرگ

جبر دین مرد صاحب ہمت است — جبر مرداں، از کمال قوت است
پختہ مردی پختہ تر گردوز جبر — جبر مرد خام را آغوش قبر
جبر خالدؓ عالمی برہم زند — جبر ما بیخ و بن ما بر کند
کار مردان است تسلیم و رضا — بر ضعیفان راست ناید ایں قبا
مرد مومن باخدا دار و نیاز — با تو ما سازیم ، تو با ما ساز
عزم او خلاق تقدیر حق است — روز ہیجا تیرا و تیر حق است

علامہ اقبال نے علامہ شبلی کی کتاب الکلام کا کس قدر گہرائی سے مطالعہ کیا تھا۔اس کا اندازہ مولانا سید سلیمان ندوی کے نام ان کے ایک خط سے ہوتا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''الکلام کے صفحہ ۱۱۳-۱۱۴ پر مولانا شبلیؒ نے حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۲۳ کا ایک فقرہ عربی میں نقل کیا ہے جس کے مفہوم کا خلاصہ انہوں نے اپنے الفاظ میں دیا ہے۔اس عربی فقرہ کے آخری حصہ کا ترجمہ یہ ہے:

''اس بنا پر اس سے بہتر اور آسان طریقہ کوئی نہیں کہ شعار،تعزیرات اور انتظامات میں خاص اس قوم کے عادات کا لحاظ کیا جائے جس میں یہ امام پیدا ہوئے۔اس کے ساتھ آنے والی نسلوں پر ان احکام کے متعلق چنداں سخت گیری نہ کی جائے۔''

مہربانی کر کے یہ فرمائیے کہ مندرجہ بالا فقرہ میں لفظ شعار سے کیا مراد ہے اور اس کے تحت کون کون سے مراسم یا دستور آتے ہیں۔اس لفظ کی مفصل تشریح مطلوب ہے، جواب کا سخت انتظار رہے گا۔''(۲۳)

مولانا سید سلیمان ندوی نے اس کے جواب میں کیا لکھا اس کا کہیں ذکر نہیں ملتا لیکن علامہ اقبال کے دوسرے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب نے شعار کا جو مفہوم بیان کیا تھا، علامہ اقبال کو غالباً اس سے تشفی نہیں ہوئی۔''(۲۴)

اردو میں مذہبی،تاریخی، سیاسی اور واقعاتی نظم گوئی کے آغاز کا افتخار علامہ شبلی کے سر ہے۔جس کی علامہ اقبال نے بڑی تحسین وستائش کی ہے اور زور دیا ہے کہ یہ سلسلہ قائم رہنا

چاہیئے ۔(۲۵) دانستہ نہ سہی شبلی کی اس روایت کوخود اقبال نے بڑی ترقی دی۔علامہ شبلی کے ایک اور یگانہ روزگار شاگرد اقبال احمد خاں سہیل نے شبلی کی مذہبی اور تاریخی نظموں کے سلسلے کو شعوری طور پر ارتقاء کی منزلوں سے ہم کنار کیا اور بقول آل احمد سرور ''شبلی نے اپنی سیاسی نظموں میں جس شگفتگی اور حسن کاری سے کام لیا، وہ مولانا سہیل کے یہاں اور نکھری ہوئی ہے۔'' (۲٦) علامہ شبلی کی اس روایت کو مولانا سید سلیمان ندوی نے بھی ترقی دینے کی کوشش کی ۔وہ خود لکھتے ہیں:-

> ''۱۹۱۲ء میں جب مولانا شبلی نے نئی اردو شاعری کی طرح ڈالی تو دل نے اس میں بھی استاذ کی پیروی کا حق ادا کرنا چاہا۔متعدد نظمیں اس رنگ میں لکھیں جن کا خاتمہ استاذ کے ماتم پر ہوا جو نوحہ استاذ کے نام سے ۱۹۱۵ء میں پونا میں چھپا۔ جہاں میں ان دنوں دکن کالج میں فارسی لکچر رتھا۔ میں نے جب یہ نوحہ لکھا تو اکبر الہ آبادی، ڈاکٹر اقبال،عزیز لکھنوی،مولانا شروانی وغیرہ اور استاذ مرحوم کے اکثر دوستوں اور قدر دانوں کے پاس اس تحفہ کو بھیجا۔سب نے تعریفیں کیں اور دل بڑھایا۔''(۲۷)

یہاں ان تلامذہ شبلی سے قطع نظر محض علامہ اقبال کے کلام سے اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں کہ انہوں نے شبلی کی اس روایت کو سب سے زیادہ ترقی دی ۔کلیات اقبال اس طرح کی نظموں اور شاعرانہ جذبات سے معمور ہے جس میں شمع وشاعر،نوید صبح،مسلم اور فاطمہ بنت عبداللہ وغیرہ نظمیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ جنگ بلقان وطرابلس سے متاثر ہونے کے سبب علامہ شبلی نے شہر آشوب اسلام لکھا اس کے چند اشعار یہ ہیں:

حکومت پر زوال آیا تو پھر نام ونشاں کبتک　　چراغ کشتۂ محفل سے اٹھے گا دھواں کبتک
یہ سیلاب بلا ، بلقان سے جو بڑھتا آتا ہے　　اسے روکے گا مظلوموں کی آہوں کا دھواں کبتک
کوئی پوچھے کہ اے تہذیب انسانی کے استادو　　یہ ظلم آرائیاں تاکے ، یہ حشر انگیزیاں کبتک
کہاں تک لوگے ہم سے انتقام فتح ایوبیؒ؟　　دکھاؤ گے ہمیں جنگ صلیبی کا سماں کبتک

پرستاران خاک کعبہ دنیا سے اگر اٹھے   تو پھر یہ احترام سجدہ گاہ قدسیاں کبتک

بکھرتے جاتے ہیں شیرازۂ اوراق اسلامی   چلیں گی تند باد کفر کی یہ آندھیاں کبتک

کہیں اڑ کر نہ دامان حرم کو بھی یہ چھو آئے   غبار کفر کی یہ بے محابہ شوخیاں کبتک

حرم کی سمت بھی صید افگنوں کی جب نگاہیں ہیں   تو پھر سمجھو کہ مرغان حرم کے آشیاں کبتک

جو ہجرت کر کے بھی جائیں تو شبلی اب کہاں جائیں؟

کہ اب امن و امانِ شام و نجد و قیرواں کبتک؟

اب علامہ اقبال کی نظم فاطمہ بنت عبداللہ دیکھیں:

فاطمہ! تو آبروئے امت مرحوم ہے   ذرہ ذرہ تیری مشت خاک کا معصوم ہے

رقص تیری خاک کا کتنا نشاط انگیز ہے   ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے

یہ سعادت حور صحرائی! تیری قسمت میں تھی   غازیان دیں کی سقائی تیری قسمت میں تھی

یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر   ہے جسارت آفریں، شوق شہادت کس قدر

ہے کوئی ہنگامہ تیری تربت خاموش میں   پل رہی ہے ایک قوم تازہ اس آغوش میں

اٹلی نے ۱۹۱۱ء میں طرابلس پر حملہ کیا تو اقبال پکار اٹھے:

شام غم لیکن خبر دیتی ہے صبح عید کی   ظلمت شب میں نظر آئی کرن امید کی

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش   اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

دیکھ لوگے سطوت رفتارِ دریا کا مآل   موج مضطر ہی اسے زنجیر پا ہو جائے گی

نالۂ صیاد سے ہوں گے نوا ساماں طیور   خون گلچیں سے کلی رنگیں قبا ہو جائے گی

۱۹۱۲ء میں انگریزی حکومت نے مچھلی بازار کان پور کی مسجد کا وضوخانہ منہدم کرا دیا تھا۔ مسلمانوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا۔ پولس نے احتجاجی جلوس پر گولیاں برسائیں۔ جس میں متعدد بے گناہ شہید ہوگئے۔ جن میں بچے بھی شامل تھے۔ علامہ شبلی اس وقت بمبئی میں تھے۔ اس واقعہ سے اس قدر متاثر اور ملول ہوئے کہ کئی قطعات کہے۔ ان کے یہ قطعات ہندوستان کے مسلمانوں کا رجز بن گئے۔ فرماتے ہیں:

کل مجھ کو چند لاشۂ بے جاں نظر پڑے | دیکھا قریب جا کے تو زخموں سے چور ہیں
کچھ طفل خرد سال ہیں جو چپ ہیں خود مگر | بچپن یہ کہہ رہا ہے کہ ہم بے قصور ہیں
آئے تھے اس لیے کہ بنائیں خدا کا گھر | نیند آگئی ہے منتظر نفخ صور ہیں
کچھ نوجوان ہیں بے خبر نشہ شباب میں | ظاہر میں گرچہ صاحب عقل و شعور ہیں
اٹھتا ہوا شباب یہ کہتا ہے بے دریغ | مجرم کوئی نہیں ہے ، مگر ہم ضرور ہیں
سینہ پہ ہم نے روک لیے برچھیوں کے وار | از بسکہ مست بادۂ ناز و غرور ہیں
ہم آپ اپنا کاٹ کے رکھ دیتے ہیں جو سر | لذت شناس ذوق دل نا صبور ہیں
کچھ پیر کہنہ سال ہیں دلدادۂ فنا | جو خاک وخوں میں بھی ہمہ تن غرق نور ہیں
پوچھا جو میں نے کون ہو تم؟ آئی یہ صدا | ''ہم کشتگانِ معرکۂ کانپور ہیں''

معرکہ طرابلس پر اقبال نے اسی طرح آنسو بہائے ۔ان کا ایک دردانگیز قطعہ جو حضور رسالت مآب کے عنوان سے طرابلس کی یاد میں کہا گیا ہے۔اس کے چند بند ملاحظہ ہوں:

گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامہ ٴ زمانہ ہوا
جہاں سے باندھ کے رخت سفر روانہ ہوا
قیود شام سحر میں بسر تو کی لیکن
نظام کہنہ عالم سے آشنا نہ ہوا
فرشتے بزم رسالت میں لے گئے مجھ کو
حضور آیہ رحمت میں لے گئے مجھ کو

کہا حضورؐ نے اے عندلیب باغ حجاز
کلی کلی ہے تری گرمیٔ نوا سے گداز
ہمیشہ سر خوش جام ولا ہے دل تیرا
فتادگی ہے تیری غیرت سجود نیاز
اڑا جو پستی ٴ دنیا سے تو سوئے گردوں

سکھائی تجھ کو ملائک نے رفعت پرواز
نکل کے باغ جہاں سے برنگ بو آیا
ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا
حضورؐ! دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاض ہستی میں
وفا کی جس میں ہو بو ، وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں
جو چیز اس میں ہیں ، جنت میں بھی نہیں ملتی
جھلکتی ہے تیری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

ذہنی اور جذباتی اشتراک کی یہ ایک دو مثالیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شبلی و اقبال کی یہ سیاسی، حادثاتی اور واقعاتی نظمیں اردو میں ایک نیا تجربہ تھیں۔ البتہ ان میں فکری لحاظ سے قدرے فرق واقع ہوا ہے۔ شبلی تڑپتے ہیں، آنسو بہاتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس غم میں شریک کر لیتے ہیں اور ان کی شاعری کی پوری فضا غم انگیز بلکہ ماتم زار ہو جاتی ہے، لیکن اقبال کی حدی خوانی ملت کے اس غم سے غمگین ہونے کے ساتھ مایوسی کا شکار نہیں ہوتی بلکہ وہ آہوں، آنسوؤں اور سسکیوں کے درمیان ان کا حل اور روشن اور تابناک مستقبل کی کرن تلاش کرتے ہیں اور قوم کو حوصلہ شکنی سے بچاتے ہوئے زندگی کی نئی علامتیں پیش کرتے ہیں۔ شبلی و اقبال کے عہد پر اگر نظر رکھی جائے تو یہ دونوں عوامل اپنے اپنے عہد کی غمازی کرتے ہیں۔ بہر حال اس میدان میں اقبال کا تاریخی شعور شبلی سے پختہ تر ہو سکتا ہے مگر اولیت اور انفرادیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ یہ افتخار بہر حال شبلی کے سر ہے۔ ڈاکٹر محمد ریاض نے سچ لکھا ہے کہ:

''اسلامی تاریخی واقعات کو نظم کرنے اور ہنگامی و وقتی واقعات کے بارے میں

قطعات لکھنے کے نقطہ نظر سے اقبال کے پیشرو شبلی ہی نظر آتے ہیں۔ اقبال کی ایسی نظموں اور قطعوں کے نمونے کلیات اقبال خصوصاً بانگ درا میں دیکھے جا سکتے ہیں۔'' (۲۸)

شبلی کو قیام حیدر آباد کے زمانہ میں داغ سے قربت رہی اور اقبال نے ان سے ابتداء میں اصلاح سخن لی۔ یہی وجہ ہے کہ شبلی و اقبال کی غزلوں پر داغ کے اثرات ثبت ہیں۔ لیکن تعجب ہے داغ سے فیض یاب ہونے کے باوجود دونوں کی غزلوں میں وہ شوخی، بانکپن اور دل ربائی نہیں جو داغ کا طرہ امتیاز ہے۔ بہرحال غزلیہ شاعری پر ان کے اثرات سے انکار ممکن نہیں۔ شبلی کی غزلوں کے چند متفرق اشعار یہ ہیں:

نیست تھی اس کی کمر پر تو نے ثابت کر دیا
واہ وا تسلیم کیا تیرے بیاں میں زور ہے

بے خودی وصل کی حظ کب مجھے لینے دیتی ہے
وہ جو آتے بھی تو میں آپ سے باہر ہوتا

ہم نے بھی حضرت شبلی کی زیارت کی تھی
یوں تو ظاہر میں مقدس تھا پہ شیدائی تھا

اقبال کے کلام پر اثرات داغ کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

بھری بزم میں اپنے عاشق کو تاڑا
تیری آنکھ مستی میں ہشیار کیا تھی

تصویر میں نے مانگی تو ہنس کر دیا جواب
عاشق ہوئے تھے تم تو کسی بے مثال کے

رندی سے بھی آگاہ ، شریعت سے بھی واقف
پوچھو جو تصوف کی تو ہے منصور کا ثانی

اس شاعرانہ مماثلت اور جزوی یکسانیت کو ہم ایک اتفاق سے زیادہ اہمیت نہیں دے سکتے۔تاہم اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ ایک زمانہ میں دونوں کی طبع آزمائی کا میدان بہرحال ایک تھا۔

۱۸رنومبر۱۹۱۴ءکو علامہ شبلی نے ۵۷رسال کی عمر میں وفات پائی تو ہر طرف صف ماتم بچھ گئی،رسائل واخبارات میں ان کے سانحہ وفات کو ملت کا ایک بڑا حادثہ اور پر نہ ہونے والا خلا بتایا گیا۔متعدد اہل قلم نے شبلی کے علم وفضل اور عظیم الشان کارناموں پر مضامین ومقالات لکھے، شعراء نے بڑے دلدوز مرثیے کہے غرض طرح طرح سے خراج عقیدت اور حزن وملال کا اظہار کیا گیا۔جس کی تفصیل راقم نے اپنی کتاب شبلی سخنوروں کی نظر میں لکھی ہے۔

اسی زمانہ میں بلکہ پندرہ دن بعد مولانا حالی نے بھی داغ مفارقت دیا۔علامہ اقبال ان سانحوں پر تڑپ اٹھے اور چمنستان کے ان دونوں رازداروں کو ایک نظم میں خراج عقیدت پیش کیا جو ان کے مجموعہ بانگ درا میں شامل ہے۔

مسلم سے ایک روز یہ اقبال نے کہا   دیوان جز وکل میں ہے تیرا وجود فرد
تیرے سرود رفتہ کے نغمے علوم نو   تہذیب تیرے قافلہ ہائے کہن کی گرد
پتھر ہے اس کے واسطے موج نسیم بھی   نازک بہت ہے آئینہ آبروئے مرد
مردان کار ڈھونڈھ کے اسباب حادثات   کرتے ہیں چارہ ستم چرخ لاجورد
پوچھا ان سے جو چمن کے دیرینہ رازدار   کیونکر ہوئی خزاں ترے گلشن سے ہم نبرد
مسلم میرے کلام سے بے تاب ہو گیا   غماز ہو گئی غم پنہاں کی آہ سرد
کہنے لگا کہ دیکھ تو کیفیت خزاں   اوراق ہو گئے شجر زندگی کے زرد
خاموش ہو گئے   چمنستاں کے رازدار   سرمایہ گداز تھی جن کی نوائے درد

شبلی کو رو رہے تھے ابھی اہل گلستاں حالی بھی ہو گیا سوئے فردوس رہ نورد

اکنوں گرا دماغ کہ پرسد ز باغباں

بلبل چہ گفت وگل چہ شنیدہ وصبا چہ کرد

علامہ اقبال نے ایک مصرعہ میں علامہ شبلی کی تاریخ وفات بھی کہی ہے جو اگر چہ اقبال کے متروک و منسوخ کلام کا حصہ ہے تاہم اس سے اقبال کی نظر میں شبلی کی عظمت کا بھی بھرپور اندازہ ہوتا ہے۔

امام الہند والا نژاد شبلی طاب ثراہ

۱۳۳۲ھ (۲۹)

یہ مصرعہ تاریخ دراصل اس سلسلہ اشعار لوح مزار کا حصہ ہے جو شعرا نے علامہ شبلی کی وفات پر اخبار زمیندار لاہور میں شروع کیا تھا، چنانچہ زمیندار کی فائل میں کئی شعرا کے لکھے ہوئے لوح مزار کے اشعار شائع ہوئے ہیں، بعد میں اقبال سہیل، مولانا سید سلیمان ندوی اور مولوی مرتضیٰ نظر کے اشعار لوح مزار بھی سامنے آئے، مگر شبلی کے مزار پر ان میں سے کوئی بھی جگہ نہ پاسکے بلکہ خود ان کا ہی ایک قطعہ ان کی مزار کی لوح بنا:

عجم کی مدح کی عباسیوں کی داستاں لکھی مجھے چند مقیم آستان غیر ہونا تھا

مگر اب لکھ رہا ہوں سیرت پیغمبر خاتم خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

اقبال کا نظریہ سیاست بھی شبلی کے فکر ونظر کا پرتو معلوم ہوتا ہے۔ علامہ شبلی عظمت رفتہ کی بازیافت کے جذبہ سے سرشار اور عالمی تناظر میں اتحاد اسلامی کے حامی ہونے کے باوجود ہندو مسلم اتحاد کے زبردست داعی تھے۔ انہوں نے اپنے مضمون ''مسلمانوں کی پولٹیکل کروٹ'' میں جب اپنا یہ نظریہ پیش کیا تو اس کے خلاف امرت سر اور فیض آباد میں مخالفت میں تحریکیں برپا ہوئیں۔ علامہ اقبال بھی اتحاد اسلامی کے علمبردار اور پان اسلامسٹ نظر آتے ہیں، کم از کم ہندوستان کے پس منظر میں ان کا وہی نظریہ تھا جو شبلی کا تھا۔ البتہ بعد کے ادوار بلکہ آخر میں تصور مملکت خداداد کے سلسلہ میں ان کے نقطہ نظر میں نمایاں تبدیلی آئی اور انہیں

مسلمانوں کے لئے ایک وطن کی ضرورت کا احساس پیدا ہوا۔البتہ شبلی و اقبال دونوں ہندو مسلم اتحاد کے علمبردار تھے۔اور دونوں کے اس نقطہ نظر میں آخر تک تبدیلی نہیں آئی۔شبلی دوقومی نظریہ کے مخالف اور اقبال اس کے حامی تھے۔یہ ایک الگ بحث کا موضوع ہے،اس سے قطع نظر تقسیم ہند کے وقت دونوں موجود نہیں تھے۔تاہم تقسیم ہند کے بعد غالباً مسلم لیگ کی شدید مخالفت کی بنا پر شبلی کی طرف وہ توجہ نہیں دی گئی جس کے وہ مستحق تھے،البتہ علامہ اقبال پاکستان کے قومی شاعر تسلیم کئے گئے اور ان کے افکار و خیالات کے مطالعہ پر اس قدر توجہ دی گئی کہ اقبالیات کا ایک بڑا ذخیرہ تیار ہوگیا۔اس کے برعکس شبلی پر حکومت ہند نے بھی کبھی نگاہ غلط انداز نہیں ڈالی اور جس طرح وہ اپنی زندگی میں مظلوم رہے اسی طرح بعد از مرگ بھی مظلوم ہیں۔

حوالے

(۱) مولوی عبدالرزاق کان پوری،شمس العلماء پروفیسر شبلی نعمانی۔شبلی معاصرین کی نظر میں ص ۶۷۔اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ۔۲۰۰۵ء

(۲) مشاہیر کے خطوط۔ص۹۶۔مطبوعہ دارالمصنّفین اعظم گڑھ (ب ت)

(۳) علامہ اقبال۔علم الاقتصاد۔ص۲۶،طبع دوم

(۴) بحوالہ اقبال اور مشاہیر۔ص۱۲۷

(۵) علامہ شبلی۔سوانح مولانا روم۔ص۸۱۔مطبوعہ دارالمصنّفین اعظم گڑھ۔۲۰۱۰ء

(۶) اقبال اور مشاہیر۔ص۲۷

(۷) خواجہ غلام الحسنین پانی پتی،مقدمہ فلسفہ تعلیم ص۳-۴،انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ ۱۳۳۹ھ طبع دوم

(۸) بحوالہ اقبال اور پیروی شبلی۔ص۳۳

(۹) مقالات شبلی ج۶ ص۲۷

(۱۰) ضیاءالدین برنی۔عظمت رفتہ۔ص۲۷۰۔ادارہ علم و فن کراچی۔۲۰۰۰ء

(۱۱) عبدالواحد معینی۔اقبالیات اور قرۃ العین حیدر۔ص۳۷۔اقبال اکادمی لاہور۔۲۰۰۹ء

(۱۲) اقبال اور پیروی شبلی، ص۴۲، سید افتخار حسین شاہ، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۱۹۷۸ء

(۱۳) مولانا سید سلیمان ندوی۔ یادرفتگاں۔ص۱۸۳۔ دارالمصنّفین اعظم گڑھ۔۱۹۹۳ء

(۱۴) مقالات شبلی ہشتم ص۵۳

(۱۵) ایضاً ص۵۴-۵۵

(۱۶) ایضاً ص۶۲-۶۳، طبع جدید ۲۰۱۰ء

(۱۷) کلیات مکاتیب اقبال حصہ اول۔ص۲۳۹۔ اردو اکادمی دہلی۔۱۹۹۱ء

(۱۸) مشاہیر کے خطوط۔ص۹۹

(۱۹) صبا حیدرآباد شبلی نمبر ص۵۶

(۲۰) ایضاً

(۲۱) ایضاً

(۲۲) اقبال اور پیروی شبلی۔ص۱۲-۲۳

(۲۳) مشاہیر کے خطوط۔ص۱۳۲-۱۳۳

(۲۴) مشاہیر کے خطوط۔ص۱۳۳

(۲۵) مشاہیر کے خطوط۔ص۹۶

(۲۶) محمد حسن انٹر کالج میگزین جون پور۔سہیل نمبر۔ص۴۲۔مرتبہ نیاز احمد صدیقی

(۲۷) ماہنامہ معارف اعظم گڑھ۔جولائی ۱۹۵۰ء۔ص۱۰

(۲۸) اقبال اور مشاہیر۔ص۱۳۰

(۲۹) کلیات مکاتیب اقبال۔ص۵۱۵۔صابر کلوروی۔اقبال اکادمی لاہور

اقبال اور دارالمصنّفین

دارالمصنّفین [شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ] علامہ شبلی کی آخری یادگار ہے۔ اسے انہوں نے ندوہ سے علاحدگی کے بعد زندگی کے آخری دنوں میں قائم کیا۔ ابھی وہ پورے طور پر اس ادارہ کو مستحکم بھی نہ کر سکے تھے کہ ۱۸/نومبر ۱۹۱۴ء کو وفات پائی۔ ان کے بعد ان کے تلامذہ نے دارالمصنّفین کو قائم رکھنے اور ترقی دینے کی غرض سے مجلس اخوان الصفا قائم کی جس کے صدر مولانا حمیدالدین فراہی، سکریٹری مولانا سید سلیمان ندوی اور ممبر کی حیثیت سے مولانا عبدالسلام ندوی، مولانا مسعود علی ندوی اور مولوی شبلی متکلم آگے بڑھے اور خاص طور پر مولانا سید سلیمان ندوی اور مولوی مسعود علی ندوی نے علامہ شبلی کے فکر و خیال کے مطابق دارالمصنّفین کو اس قدر ترقی دی کہ وہ عالم اسلام کا مایہ ناز علمی، تحقیقی اور تصنیفی ادارہ تسلیم کیا گیا۔ علامہ شبلی کے نزدیک اس کے قیام کا بنیادی مقصد مخالفین اسلام کی ہرزہ سرائیوں کا مدلل اور مسکت جواب زمرہ مصنّفین کی دائمی خدمت، اہل قلم کی تربیت، بلند پایہ کتابوں کی تصنیف و تالیف و ترجمہ اور ان کے طبع و اشاعت کا سامان کرنا تھا۔ (۱) اور بلاشبہ دارالمصنّفین کے اہل قلم اور مصنّفین نے مختلف اسلامی علوم و فنون پر دو سو سے زائد بلند پایہ علمی و تحقیقی کتابیں لکھ کر اور تصنیف و تالیف کے لئے متعدد افراد کی تربیت کر کے اپنے حدف کو پورا کیا، یہی نہیں بہت سے اہل قلم اس کے گوشہ عزلت و عافیت میں پل کر جوان ہوئے اور ملک کے مختلف حصوں میں علم و ادب کے چراغ روشن کیے جس کی برصغیر کی تاریخ میں کوئی دوسری مثال نہیں مل سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف ہندو پاک بلکہ عالم اسلام کے ممتاز علماء و فضلاء اور دانشوروں نے دارالمصنّفین اور اس

کے علماء ومصنّفین کی زبردست پذیرائی کی۔اس کی کتابوں کو سراہا۔اسے سند واعتبار کا درجہ دیا اوراس کے رسالہ ماہنامہ معارف کوعلمی دنیا کا گل سرسبد قرار دیا۔حکیم الامت علامہ محمد اقبال نے بھی دارالمصنّفین سے پوری دلچسپی لی۔اس کی مطبوعات ان کے مطالعہ میں رہیں۔خاص طور سے مجلس دارالمصنّفین کے ماہوار رسالہ معارف سے انہیں بڑی دلچسپی تھی اور وہ اس کے مشتاق رہتے تھے۔مولانا سید سلیمان ندوی کے نام ان کے متعدد خطوط میں اس کی تفصیل موجود ہے۔مولانا سید سلیمان ندوی نے ایک بڑا دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے کہ میں نے سفر افغانستان کے دوران ایک دن علامہ اقبال سے کہا کہ جب تک آپ کی شاعری زندہ رہے گی، ہندوستان میں اسلام باقی رہے گا۔علامہ نے فرمایانہیں جب تک دارالمصنّفین کی تصنیفات باقی رہیں گی ہندوستان میں اسلام باقی رہے گا۔سر رائس مسعود بھی شریک بزم تھے۔انہوں نے کہا کہ اسے یوں کہہ لیجئے کہ جب تک اقبال کی شاعری اور دارالمصنّفین کی تصنیفات باقی ہیں گی ہندوستان میں اسلام باقی رہے گا۔

اس گفتگو سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علامہ اقبال کو دارالمصنّفین اوراس کی مطبوعات سے کس درجہ لگاؤ تھااوران کی نظر میں اس کی کیا اہمیت تھی۔

وہ دارالمصنّفین کی پہلی مجلس انتظامیہ کے رکن نامزد ہوئے اور پھر تاحیات اس پر فائز رہے۔انہوں نے متعدد ایسے مشورے دئے جن سے دارالمصنّفین کے وقار میں اضافہ ہوا،مثلاً تاریخ فقہ اسلامی اورحکمائے اسلام جیسی اہم کتابیں انہیں کے مشورہ سے دارالمصنّفین میں لکھی اور شائع کی گئیں۔اسی طرح ۱۹۲۲ء میں سید صاحب نے خلافت سے متعلق مضامین لکھے تو علامہ اقبال نے انہیں کتابی صورت میں شائع کرنے کا مشورہ دیا۔(۲) مگر یہ مضامین کتابی صورت میں شائع نہ ہوسکے۔

حوالے

(۱) محمد الیاس الاعظمی، دارالمصنّفین کی تاریخی خدمات، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ،۲۰۰۲ء

(۲) مشاہیر کے خطوط ص ۱۱۴

اقبال اور سید سلیمان ندوی

اقبال شناسی میں جانشین شبلی مولانا سید سلیمان ندوی [۱۸۸۴-۱۹۵۳] کا حصہ بہت اہم ہے۔ وہ معاصر اور ان کے استاذ کے ممدوح تھے۔ خط و کتابت کا سلسلہ علامہ شبلی کی وفات ۱۹۱۴ء کے بعد قائم ہوا۔ دونوں ایک دوسرے کے فضل و کمال کے بھی بڑے معترف و مداح تھے۔ ماہنامہ معارف کے شذرات میں سید صاحب نے اقبال کا ذکر ان کی زندگی ہی میں متعدد بار کیا۔ رموز بے خودی کا تعارف و تجزیہ سب سے پہلے انہیں کے قلم سے نکلا۔ نادر شاہ کی دعوت پر تعلیمی اصلاحات کے لئے دونوں افغانستان کے سفر پر ساتھ گئے، سر راس مسعود بھی اس وفد کے ایک رکن تھے۔ مولانا سید سلیمان ندوی کے سفر نامہ ''سیر افغانستان'' میں اس کی تفصیل موجود ہے۔(۱)

مولانا سید سلیمان ندوی سے اقبال کی دلچسپی جانشین شبلی کی حیثیت سے ہوئی۔ اقبال نے لکھا کہ ''مولانا شبلیؒ کے بعد آپ استاذ الکل ہیں، اقبال آپ کی تنقید سے مستفید ہوگا۔''(۲) پھر ان کے علم و فضل کے وہ قائل ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ وہ سید صاحب کو فارسی پروفیسر کی حیثیت سے اورینٹل کالج لاہور میں مقرر کرانا چاہتے تھے تاکہ ان کے قیام لاہور سے پنجاب والوں کو فائدہ پہنچ سکے، سید صاحب نے اسے پسند نہیں کیا تو انہوں نے سید صاحب کو دعا دی کہ اللہ تعالیٰ دارالمصنّفین کے کام میں برکت دے اور آپ کا وجود مسلمانوں کے لئے مفید ثابت کرے۔(۳)

سید صاحب کے نام علامہ اقبال کے ۷۰ رخطوط ''اقبال نامہ'' مرتبہ شیخ عطاء اللہ میں

شامل ہیں۔ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ سید صاحب کے فضل وکمال سے بے حد متاثر تھے۔ انہوں نے متعدد علمی امور میں ان سے استفسار اور استفادہ کیا اور ان کے علم وفضل اور شکوہ سلیمانی کی انہوں نے زبردست تحسین و ستائش کی۔ ان کا خیال تھا کہ سید صاحب جو کام کر رہے ہیں وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔(۴) ایک اور خط میں لکھا کہ:

''آج سید سلیمان ندوی ہماری علمی زندگی کے سب سے اونچے زینے پر ہیں۔ وہ عالم ہی نہیں امیر العلماء ہیں۔ مصنف ہی نہیں رئیس المصنّفین ہیں۔ان کا وجود علم و فضل کا ایک دریا ہے، جس سے سیکڑوں نہریں نکلی ہیں اور ہزاروں سوکھی کھیتیاں سیراب ہوئی ہیں۔''(۵)

ایک دوسرے خط میں لکھا کہ:

''علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کا فرہاد آج ہندوستان میں سوائے سید سلیمان ندوی کے اور کون ہے۔''(۶)

علامہ اقبال نے نہ صرف سید سلیمان ندوی کی عظمت کا اعتراف کیا بلکہ ان کی کتابوں کی بھی بڑی تحسین وستائش کی۔ سیرت عائشہؓ کے بارے میں لکھا کہ:

''سیرت عائشہؓ کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ یہ ہدیہ سلیمانی نہیں بلکہ سرمہ سلیمانی ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے سے میرے علم میں بہت مفید اضافہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔(۷)

اسی طرح عمر خیام کے بارے میں لکھا کہ:

''عمر خیام پر آپ نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس پر اب کوئی مشرقی یا مغربی عالم اضافہ نہ کر سکے گا۔الحمد للہ کہ اس بحث کا خاتمہ آپ کی تصنیف پر ہوا۔''(۸)

اگر علامہ اقبال نے سید صاحب کے اعتراف کمال میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تو سید سلیمان ندوی نے بھی اقبال کی شاعرانہ عظمت وبصیرت اور ان کے افکار ونظریات کی زبردست تحسین وستائش کی۔ اقبال کے نام مولانا سید سلیمان ندوی کے خطوط محفوظ نہیں رہے، ورنہ اس

کی پوری تفصیل سامنے آ جاتی۔ تاہم علامہ اقبال کے خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ سید صاحب نے بھی اپنے خطوط میں ان کی تعریف وتحسین اور ان کی عظمت کا اعتراف کرتے تھے۔ علاوہ ازیں معارف کے شذرات تحسین وستائش اور اعترافات سے پر ہیں۔ سید صاحب نے شذرات میں ذکر اقبال کے علاوہ اقبال سے متعلق اولاً انگریزی مضامین کے ترجمے شائع کئے۔ رموز بے خودی پر ایک طویل تبصرہ کیا، (۹) جسے اقبال نے بے حد پسند کیا۔ (۱۰) سید صاحب نے لکھا کہ مولوی رومی نے سات دفتروں میں سات آسمانوں کے خزانے یکجا کر دئے اور چونکہ وقت کی چیز تھی اس لئے اہل معنی میں اس کو بے انتہا مقبولیت ملی، ضرورت تھی کہ ہمارے اہل دل شعراء مثنوی میں مولوی روم کا ایک دوسرا نسخہ ہمارے لئے تیار کرتے، شعرائے حال میں ڈاکٹر اقبال کو اللہ تعالی نے اس ضرورت کے لئے چن لیا ہے انہوں نے اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر دو مثنویاں لکھیں، اسرار خودی اور رموز بے خودی۔ (۱۱) پھر ان دونوں مثنویوں کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''رموز بے خودی میرے خیال میں زبان کے لحاظ سے اسرار خودی سے بہتر ہے اور اصل معنی کے لحاظ سے دونوں میں یہ فرق ہے کہ اس میں مظاہر سیاست بیشتر اور اس میں مذہب کے عناصر زیادہ ہیں لیکن منزل مقصود ایک ہے۔'' (۱۲)

رموز بے خودی کے بارے میں لکھا ہے کہ

''مثنوی کے اکثر ابواب میں مذہبی حقائق، فلسفیانہ تشریح کے ساتھ صوفیانہ رنگ میں شعر بنتے چلے گئے ہیں۔............. علاوہ ازیں ڈاکٹر اقبال نے اس میں جو اسرار ونکات حل کئے ہیں ان کی بنیاد پر یہ مثنوی نہ صرف شاعری اور فن قومیات کا ایک رسالہ ہے بلکہ ہمارے خیال میں جدید علم کلام کی ایک بہتر کتاب ہے۔ اس کے اندر توحید کا ثبوت، رسالت کی ضرورت، قرآن پر ایمان رکھنے کا سبب، قبلہ کی حاجت وغیرہ اعتقادی مسائل پر نہایت پر اثر اور تشفی بخش دلائل موجود ہیں۔'' (۱۳)

رموز بے خودی کی زبان پر تبصرہ کرتے ہوئے سید صاحب نے لکھا کہ

''زبان کے لحاظ سے میں ڈاکٹر اقبال کو ان شعراء میں گنتا ہوں جو معنوی محاسن اور باطنی خوبیوں کے مقابلہ میں الفاظ اور محاوروں کی ظاہری صحت کی پروا نہیں کرتے لیکن حق یہ ہے کہ اس کی ایک لغزش مستانہ پر ہزاروں سنجیدہ اور متین رفتاریں قربان ہیں، مصرعوں کے دروبست اور فصل و وصل میں قصور ممکن ہے لیکن یہ ناممکن ہے کہ جو مصرعہ ڈاکٹر اقبال کی زبان سے نکل جائے وہ تیر ونشتر بن کر سننے والوں کے جگر میں نہ اتر جائے، شاید اس کا سبب یہی ہے کہ ڈاکٹر اقبال اپنے مخاطب کے احساسات پر مذہب، فلسفہ، تصوف اور شاعری کی راہ سے حملہ کرتے ہیں۔ اس لئے اختلاف مذاق کے باوجود ان مختلف راہوں میں سے کسی ایک سے بھی بچ کر نکل نہیں سکتا۔''(۱۴)

سید صاحب مزید لکھتے ہیں

''ایک بالغ نظر اس مثنوی (رموز بے خودی) میں الفاظ کی صحت یا صحیح فارسی معنی میں ان کے استعمال میں شک اور بعض فارسی محاوروں کی گرفت کر سکتا ہے لیکن اصل یہ ہے کہ اقبال کے شاعرانہ خیالات میں اتنی بہتر روانی ہے کہ خس وخاشاک اس کی خوبی و لطافت میں مزاحم نہیں ہو سکتے اس لئے اس تقریظ میں ان کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ نکتہ چینی اور حرف گیری بہت ہو چکی، اب کچھ سوچنا اور سمجھنا بھی چاہئے اور یہی اس مثنوی کا اہم المطالب ہے۔''(۱۵)

علامہ اقبال سے متعلق کوئی خوش کن خبر آتی تو سید صاحب معارف میں اس کا ذکر ضرور کرتے۔ ۱۹۲۰ء میں اسرار خودی کا انگریزی ترجمہ لندن سے شائع ہوا تو لکھا کہ

''مشرقی لٹریچر کے ہوا خواہ بالعموم ڈاکٹر اقبال کے مداح بالخصوص اس خبر کو سن کر خوش ہوں گے کہ ان کی مشہور فارسی مثنوی اسرار بے خودی کا انگریزی ترجمہ لندن میں چھپ کر شائع ہو گیا ہے۔ مترجم کیمبرج یونیورسٹی کے ممتاز مستشرق پروفیسر نکلسن ہیں جو اسلامی ادبیات و تصوف پر متعدد تصانیف کے مصنف ہیں اور عربی

وفارسی کی چند نادر وبیش بہا کتابیں اڈٹ کر چکے ہیں، اس ترجمہ پر انہوں نے بکثرت حواشی دئے ہیں اور ایک مبسوط مقدمہ بھی تحریر کیا ہے، ٹائمز لٹریری سلیمنٹ دوبار اس پر مقدمہ لکھ چکا ہے جو علمی حلقوں میں کتاب کی اہمیت ومقبولیت کی ایک واضح دلیل ہے۔''(۱۶)

اس کے بعد ۱۹۲۳ء میں علامہ اقبال کو سر کا خطاب ملا تو سید صاحب نے اس پر بھی معارف میں ایک شذرہ لکھا:

''سال نو کے عجائبات خطاب میں ڈاکٹر اقبال کا سر بن جانا بھی ہے۔ اگر حکومت نے ہمارے قومی شاعر کی یہ علمی قدر دانی کی ہے تو یہ فال نیک مبارک ہو اور اسی کے ساتھ یہ اس امر کا تازہ ثبوت ہے کہ ہماری ملکی زبان کے خدمت گذاروں کی قدر دانی انگریز اس وقت تک نہیں کرتے جب تک کہ ان کے خیالات رومن خط میں ان کے پیش نظر نہ ہوں۔ ڈاکٹر اقبال بیس برس سے مختلف مشرقی زبانوں میں اپنے افکار نادرہ اور جذبات عالیہ کا اظہار کر رہے ہیں لیکن ہماری حکومت نے اس کا اعتراف اس وقت کیا جب پروفیسر نکلسن کے قلم سے ان کے بعض ''رموز و اسرار'' شاعرانہ انگلستان کی بزم سخن میں جا کر فاش ہوئے۔''(۱۷)

وسط اپریل ۱۹۲۷ء میں سید صاحب نے لاہور کا سفر کیا اور انجمن حمایت اسلام میں ''عہد رسالت میں اشاعت اسلام'' کے موضوع پر خطبہ دیا۔ لاہور سے واپس آ کر انہوں نے اس سفر کی جو روداد لکھی ہے وہ بھی ذکر اقبال سے لبریز ہے۔

اس سفرنامہ میں سید صاحب نے لاہور کو ہندوستان کا صدر دروازہ قرار دیا ہے اور وہاں کا پورا علمی، ادبی اور تعلیمی منظرنامہ سپرد قلم کیا ہے۔ خاص طور پر لاہور کے ارباب کمال کا جس طرح ذکر کیا ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اقبال کا بھی ذکر کیا ہے اور اقبال کے نئے مجموعہ کلام کی خوش خبری بھی سنائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر اقبال ان تمام صحبتوں میں شمع محفل تھے، انہوں نے ''شمع اور شاعر''

لکھا ہے لیکن میں نے تو لاہور میں خود شاعر کو شمع دیکھا اور قدر شناسوں کو اس کا پروانہ پایا، ان کی صحبت لاہور کے نوجوانوں کی دماغی سطح کو بہت بلند کر رہی ہے، ان کے فلسفیانہ نکات، عالمانہ افکار، شاعرانہ خیالات ان کے آس پاس کی دنیا کو ہمیشہ متاثر رکھتے ہیں اور ان کی زمزمہ پردازیوں کا نیا مجموعہ ''زبور عجم'' کے نام سے عنقریب سامعہ نواز ہونے والا ہے میں نے کہا کہ فلسفہ عجم کے دشمن کو مناسب بھی یہی تھا کہ عجم کے ہاتھ میں زبور دے کر ان کے خیالی فلسفہ کو مزامیر داؤد کی دعاؤں سے بدل دے اور ان کے کانوں کو زبور کا پردہ رکھ کر قرآن کی نغمہ سنجیوں سے مانوس کر دے۔'' (۱۸)

ڈاکٹر اقبال نے اپنی مشہور نظم ''خضر راہ'' انجمن حیات اسلام کے جلسہ میں پڑھ کر سنائی تو سید صاحب نے اس کے چند بند معارف میں سب سے پہلے شائع کئے اور اس پر ادارتی نوٹ لکھا کہ ''ڈاکٹر اقبال کی یہ نظم گو جوش بیان میں ان کی پچھلی نظموں سے کم ہے لیکن اسی حیثیت سے تعقید اور فارسیت میں بھی کمی ہے۔ ان کی شاعری کا اصلی جوہر فلسفہ اور تخیل کی مصالحانہ آمیزش ہیں اور ان کی یہ خصوصیت اس نظم میں بھی نمایاں ہے۔ دیکھنے والوں کا یہ بیان ہے کہ ڈاکٹر اقبال نے جب یہ نظم جلسہ میں پڑھنا شروع کی تو مجلس پر ایک سماں بند گیا، اکثر مصرعوں پر سامعین کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے لیکن نظم کے دو مصرعوں نے خود شاعر کی آنکھوں کو اشک بار کر دیا

۱۔ بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیٰ
۲۔ ہو گیا مانند آب ارزاں مسلماں کا لہو

سید صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہم کو اس نظم کے جس شعر نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ یہ ہے

لے گئے تثلیث کے فرزند میراث خلیل
خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز

اور آخر میں لکھا کہ

''ڈاکٹر اقبال کی یہ نظم ایسی ہے کہ اس کی شرح لکھنا چاہئے۔''(۱۹)

اسی زمانہ میں ڈاکٹر اقبال نے سید صاحب کو پیام مشرق کی خوش خبری دی ۔ سید صاحب نے یہ خوش خبری قارئین معارف کو سنائی اور لکھا کہ

''ہم ناظرین کو ایک اور خوش خبری سنانا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر اقبال ملک کے ان پر شور ایام میں خاموش نہیں رہے۔ جرمنی کے ایک شاعر گوئٹے نے اپنے جس مجموعہ اشعار کا نام مشرقی دیوان رکھا ہے۔ مغرب کا مشرق پر اب تک یہ قرض چلا آتا تھا۔ ہمارا مشرقی شاعر اب اس قرض سے مشرق کو سبکدوش کرنا چاہتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے والہ نامہ سے معلوم ہوا کہ انہوں نے گوئٹے کے جواب میں فارسی اشعار کا ایک مجموعہ لکھا ہے جو عنقریب شائع ہوگا۔ اس کے دیباچے میں ڈاکٹر اقبال یہ دکھائیں گے کہ فارسی لٹریچر نے جرمن لٹریچر پر کیا اثر ڈالا ہے۔ ابھی گذشتہ اورینٹل کانفرنس کلکتہ میں ڈاکٹر جیون جی جمشید نے تقریباً اسی موضوع پر ایک مضمون پڑھا تھا امید ہے کہ ڈاکٹر اقبال کا قلم ان سے زیادہ سیراب کن ہوگا۔''(۲۰)

بال جبریل شائع ہوئی تو سید صاحب نے ماہنامہ معارف کے کالم باب التقریظ و الانتقاد کے تحت اس پر ایک مفصل تقریظ لکھی، بال جبریل تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصہ کا تعارف سید صاحب نے ان الفاظ میں کرایا ہے:

''پہلا حصہ ۱۶ نظموں کا مجموعہ ہے اور ۳۶ صفحوں میں تمام ہوا ہے۔ ان نظموں میں بندہ وخدا میں ناز و نیاز، گلہ وشکوہ اور دعا و مناجات کے مختلف مناظر ہیں اور ہر نظم میں شاعر بندہ نے طرح طرح سے خداوند جل جلالہ کی شان غیوری کو حرکت میں لانے کی کوشش کی ہے۔ کہیں وہ روٹھا ہے، کہیں وہ رویا ہے، کبھی سجدہ میں گر پڑا ہے، کبھی اٹھ کر تن گیا ہے اور اپنی بندگی وعبوریت پر اترا رہا ہے اور پھر فوراً ہی

اپنی عاجزی ودر ماندگی کی ساری بساط کو اس بارگاہ بے نیاز میں نذر لاتا ہے۔(۲۱)

دوسرے حصہ کے بارے میں سید صاحب نے لکھا ہے کہ:

''دوسرا حصہ ۶۱ نظموں اور ۸۳ صفحات پر مشتمل ہے اس کی اکثر نظمیں ہندوستان سے باہر کابل، فلسطین، اسپین اور یورپ کے شہروں میں کہی گئی ہیں۔ان میں زیادتر مسلمانوں کو دنیا میں ان کا اصل مقام بتانے اور اسلام کا حقیقی پیغام پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے، کبھی غزنی میں سنائی کے مزار پر، کبھی قرطبہ کی مسجد میں، کبھی فلسطین کے بیت المقدس میں اور کبھی یورپ کے تماشا گاہوں میں، شاعر کو مسلمانوں کی ناخودشناسی پر رونا آتا ہے، کبھی وہ ان کو سمجھاتا ہے، کبھی شرماتا ہے، کبھی دھمکاتا ہے، کبھی رلاتا ہے اور ہر طرح کی کوشش کرتا ہے کہ مسلمان اپنی حقیقت کو سمجھیں اور اسلام کا پیغام لے کر وہ پھر پنہائے ارض کے گوشہ گوشہ میں دوڑ جائیں۔''(۲۲)

بال جبریل ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا۔اس کے بعد ۱۹۳۶ء میں ضرب کلیم شائع ہوا اور علامہ اقبال نے اسے سید صاحب کی خدمت میں بھیجا تو سید صاحب نے اس کی خوش خبری قارئین معارف کو سنائی اور لکھا کہ

''ہمارے حکیم شاعر ڈاکٹر سر محمد اقبال کا ایک نیا ادبی معجزہ ضرب کلیم کے نام سے شائع ہوا ہے۔اس میں موصوف کی وہ تازہ اردو نظمیں ہیں جن میں اسلام کے نقطہ نظر سے زمانہ موجودہ کے خیالات پر تبصرہ کیا گیا ہے، لیکن معلوم نہیں کہ یہ حضرت کلیم کی وہ ضرب ہے جو بحر احمر پر پڑی تھی جس سے دریا پھٹ گیا تھا اور اس سے ایک قوم آزاد اور دوسری برباد ہوئی تھی یا وہ ضرب ہے جو وادی تیہ کی ایک چٹان پر پڑی تھی جس سے پانی کی بارہ دھاریں بنی اسرائیل کے پیاسوں کے لئے پھوٹی تھیں، بہرحال ان دو میں سے جو ہو وہ ہمارے لئے فال نیک ہے۔

حضرت اقبال کی شاعری اب شاعری کی حدود سے نکل کر خالص حکمت کے سدرۃ

المنتہیٰ تک پہنچ چکی ہے،اور ان من الشعر لحکمۃ کے خلعت نبویؐ سے سرفراز ہو چکی ہے۔ اب ان کی شاعری میں جذبات کا سراب نہیں بلکہ عقل و حکمت کا سرچشمہ حیات ہے، اب وہ لطف و لذت نہیں بلکہ بصیرت وموعظت ہے۔ وہ مسلمانوں کو اب ان کے بزرگوں کا تاریخی پیغام سنانے کے لئے نہیں بلکہ ان کو قوموں کے عروج اور زوال کا فلسفہ سمجھانے کے لئے ہے، اب وہ میدان جنگ کا رجز یا مسافران راہ کے لئے بانگ درا نہیں بلکہ غور وفکر کے غار حرا سے ناموس اکبر کی آواز اور جبریل امین کا پیام ہے۔''(۲۳)

۲۱/اپریل ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبال نے وفات پائی تو ماتم اقبال میں ماہنامہ معارف کے صفحات غمگین اور سوگوار ہو گئے۔ ان دونوں جلیل القدر شخصیات میں جس قدر جذباتی تعلق تھا، مولانا سید سلیمان ندوی کا ماتم اقبال بھی اسی قدر جذباتی اور حزن وملال کا مرقع ہے۔ سید صاحب لکھتے ہیں:

''وہ (اقبال) ہندوستان کی آبرو، مشرق کی عزت اور اسلام کا فخر تھا۔ آج دنیا ان ساری عزتوں سے محروم ہو گئی۔ ایسا عارف فلسفی، عاشق رسول شاعر، فلسفہ اسلام کا ترجمان اور کاروان ملت کا حدی خواں، صدیوں کے بعد پیدا ہوا تھا اور شاید صدیوں کے بعد پیدا ہو۔ اس کے دہن کا ہر ترانہ بانگ درا، اس کی جان حزیں کی ہر آواز، زبور عجم، اس کے دل کی ہر فریاد، پیام مشرق، اس کے شعر کا ہر پر پرواز بال جبریل تھا۔ اس کی فانی عمر گو ختم ہو گئی، لیکن اس کی زندگی کا ہر کارنامہ جاوید نامہ بن کر انشاءاللہ باقی رہے گا۔''(۲۴)

اقبال کی شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اقبال صرف شاعر نہ تھا وہ حکیم تھا، وہ حکیم نہیں جو ارسطو کی گاڑی کے قلی ہوں یا یورپ کے نئے فلاسفروں کے خوشہ چیں بلکہ وہ حکیم جو اسرار قدرت کا محرم اور رموز فطرت کا آشنا تھا۔ وہ نئے فلسفہ کے ہر راز سے آشنا ہو کر اسلام کے راز کو

اپنے رنگ میں کھول کر دکھاتا تھا یعنی بادہ انگور کو نچوڑ کر کوثر وتسنیم کا پیالہ تیار کرتا تھا۔''(۲۵)

اس نثری مرثیے کا خاتمہ ان الفاظ پر ہوتا ہے:-

''اقبال ہندوستان کا فخر اقبال، اسلامی دنیا کا ہیرو اقبال، فضل وکمال کا پیکر اقبال، حکمت ومعرفت کا دانا اقبال، کاروان ملت کا رہنما اقبال! رخصت، رخصت۔ الوداع۔الوداع۔ سلام الله عليك و رحمة الى يوم التلاق ۔(۲۶)

اسی مضمون میں مولانا سید سلیمان ندوی نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ

''اقبال کی تصنیفات زمانہ میں یادرہیں گی۔وہ اسلام کا غیر فانی لٹریچر بن کر انشاء اللہ رہے گا۔ان کی شرحیں لکھی جائیں گی۔نظریے ان سے بنیں گے۔ان کا فلسفہ تیار ہوگا۔اس کی دلیلیں ڈھونڈھی جائیں گی۔قرآن پاک کی آیتوں، احادیث شریفہ کے جملوں، مولانا رومی اور حکیم سنائی کے تاثرات سے ان کا مقابلہ ہوگا اور اس طرح اقبال کا پیام اب دنیا میں انشاء اللہ ہمیشہ زندہ رہے گا اور اقبال زندہ جاوید۔''(۲۷)

اقبالیات کے وسیع ذخیرہ سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا سید سلیمان ندوی کی پیشین گوئیاں کس قدر سچ ثابت ہوئیں۔

دونوں کے گہرے روابط، نج کے تعلقات اور افادہ واستفادہ کی تفصیلات نمایاں کرنے کی غرض سے علامہ اقبال کے وہ تمام خطوط جو انہوں نے مولانا سید سلیمان ندوی کے نام لکھے تھے یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔واضح رہے کہ یہ خطوط ''اقبال نامہ'' مرتبہ شیخ عطاء اللہ لاہور ''مشاہیر کے خطوط''، مطبوعہ دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ اور جناب طاہر تونسوی کی کتاب ''اقبال اور سید سلیمان ندوی'' میں شائع ہو چکے ہیں۔

اقبال بنام سید سلیمان ندوی

[۱]

لاہور

یکم نومبر ۱۹۱۶ء

مخدومی ! السلام علیکم

اورینٹل کالج لاہور میں ہیڈ پرشین کی جگہ خالی ہوئی ہے، اس کی تنخواہ ایک سو بیس روپیہ ماہوار ہے، میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ اس جگہ کو اپنے لئے پسند فرماتے ہیں؟ اگر ایسا ہو تو آپ کے لئے سعی کی جائے، آپ کا لاہور میں رہنا پنجاب والوں کے لئے بیحد مفید ہوگا۔

والسلام

آپ کا خادم

محمد اقبال بیرسٹر

---

[۲]

لاہور

۱۲ر نومبر ۱۹۱۶ء

مخدومی ! السلام علیکم

مجھے یہ معلوم تھا کہ آپ ملازمت کوئی قبول نہ کریں گے، لیکن سنڈیکیٹ کے بعض ممبروں کی تعمیل ارشاد میں آپ کو لکھنا ضروری تھا، کسی قدر خودغرضی کا شائبہ بھی میرے خط میں تھا اور وہ یہ کہ میں چاہتا تھا کہ جس طرح پنجاب والوں کو صوبۂ متحدہ کے علماء وفقہاء سے اس سے پیشتر فائدہ پہنچا ہے اب بھی وہ سلسلہ آپ کے یہاں رہنے سے بدستور جاری رہے۔ مولانا شبلی مرحوم کی زندگی میں میں نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح مولانا مرحوم پنجاب میں مستقل طور پر اقامت گزیں ہو جائیں مگر مسلمان امراء میں مذاق علمی مفقود ہو چکا ہے، میری کوشش بارآور نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ دارالمصنّفین کے کام میں برکت دے اور آپ کا وجود مسلمانوں کے لئے مفید ثابت کرے۔

آپ کی غزل لاجواب ہے، بالخصوص یہ شعر مجھے بڑا پسند آیا:

ہزار بار مجھے لے گیا ہے مقتل میں
وہ ایک قطرۂ خوں جو رگِ گلو میں ہے

مولانا شبلی مرحوم ومغفور نے تاریخی واقعات کو نظم کرنا شروع کیا تھا اور جو چند نظمیں انہوں نے لکھی تھیں وہ نہایت مقبول ہوئیں، غزل کے ساتھ وہ سلسلہ بھی جاری رکھئے۔

باقی خدا کے فضل وکرم سے خیریت ہے، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

---

[۳]

لاہور

۱۳/نومبر ۱۹۱۷ء

مخدومی ! السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ قوت روح اور اطمینان قلب کا باعث ہے۔

میں ایک مدت کے مطالعہ اور غور وفکر کے بعد ان ہی نتائج پر پہنچا ہوں جو آپ کے والا نامہ میں درج ہیں۔ جو کام آپ کر رہے ہیں جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ آپ کو اس کا اجر عطا فرمائیں گے۔ اس میں ذرہ بھی شک نہیں کہ تصوف کا وجود ہی سرزمین اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے جس نے عجمیوں کی دماغی آب وہوا میں پرورش پائی ہے۔

آپ کو خیر القرون والی حدیث یاد ہوگی، اس میں نبی کریمؐ فرماتے ہیں کہ میری امت میں تین قرن کے بعد سمن (**ویظهر فیهم السمن**) کا ظہور ہوگا، میں نے اس پر دو تین مضامین اخبار وکیل امرتسر میں شایع کئے تھے، جس کا مقصود یہ ثابت کرنا تھا کہ ''سمن'' سے مراد رہبانیت ہے، جو وسط ایشیائی اقوام میں مسلمانوں سے پہلے عام تھی۔ ائمہ محدثین نے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے یہ لکھا ہے کہ اس لفظ سے مراد عیش پرستی ہے، مگر لسانی تحقیق سے محدثین کا

خیال صحیح نہیں کھلتا، افسوس ہے کہ عدیم الفرصتی اور علالت کی وجہ سے میں ان مضامین کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکا، میرا تو عقیدہ ہے کہ غلو فی الزہد اور مسئلہ وجود مسلمانوں میں زیادہ تر بدھ (بہمنیت) مذہب کے اثرات کا نتیجہ ہیں، خواجہ نقشبند اور مجدد سرہند کی میرے دل میں بڑی عزت ہے، مگر افسوس ہے کہ آج یہ سلسلہ بھی عجمیت کے رنگ میں رنگ گیا ہے۔ یہی حال سلسلۂ قادریہ کا ہے جس میں میں خود بیعت رکھتا ہوں، حالاں کہ حضرت محی الدین (عبدالقادر گیلانی) کا مقصود اسلامی تصوف کو عجمیت سے پاک کرنا تھا۔

مولف سے میری مراد ایڈیٹر کتاب الطّواسین موسیو مسگنان ہے، میں نے فرانسیسی زبان میں اطواسین کے مضامین پر حواشی لکھے ہیں۔ انشاءاللہ معارف کے لئے کچھ نہ کچھ لکھوں گا۔ میری صحت بالعموم اچھی نہیں رہتی، اس واسطے بہت کم لکھتا ہوں۔ مثنوی اسرار خودی کا دوسرا حصہ یعنی رموز بے خودی (اسرار حیات ملیہ اسلامیہ) قریب الاختتام ہے، شایع ہونے پر ارسال خدمت کروں گا۔

امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص اقبال

---

[۴]

لاہور

۲۸/اپریل ۱۹۱۸ء

مخدومی ! السلام علیکم

والا نامہ ابھی ملا ہے۔ رموز بے خودی میں نے ہی آپ کی خدمت میں بھجوائی تھی، ریویو کے لئے سراپا سپاس ہوں۔

آج مولانا ابوالکلام کا خط آیا ہے، انہوں نے بھی میری اس ناچیز کوشش کو بہت پسند فرمایا ہے، مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ استاذ الکل ہیں، اقبال آپ کی تنقید سے مستفید

ہوگا۔اسرارخودی کا دوسرا ایڈیشن تیار کر رہا ہوں،عنقریب آپ کی خدمت میں مرسل ہوگی۔

رسالہ صوفی میں میں نے کوئی نظم شایع نہیں کی،کوئی پرانی مطبوعہ نظم انہوں نے شایع کر دی ہوگی،ورنہ یہ کیوں کر ممکن ہے کہ میں صوفی کو معارف پر ترجیح دوں،معارف ایک ایسا رسالہ ہے جس کے پڑھنے سے حرارت ایمانی میں ترقی ہوتی ہے،میں انشاءاللہ ضرور آپ کے لئے کچھ لکھوں گا،یہ وعدہ کچھ عرصہ ہوا،میں نے آپ سے کیا تھا اور میں اس وقت تک پورا نہیں کر سکا۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال لاہور

---

[۵]

لاہور

۱۰رمئی ۱۹۱۸ء

مخدوم مکرم جناب قبلہ مولوی صاحب ! السلام علیکم

معارف میں ابھی آپ کا ریویو (مثنوی رموز بے خودی پر) نظر سے گذرا ہے،جس کے لئے سراپا سپاس ہوں،آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ میرے لئے سرمایۂ افتخار ہے،اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

صحت الفاظ ومحاورات کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے ضرور صحیح ہوگا،لیکن اگر آپ ان لغزشوں کی طرف بھی توجہ فرماتے تو میرے لئے آپ کا ریویو زیادہ مفید ہوتا،اگر آپ نے غلط الفاظ ومحاورات نوٹ کر رکھے ہیں تو مہربانی کر کے مجھے ان سے آگاہ کیجئے کہ دوسرے ایڈیشن میں ان کی اصلاح ہو جائے۔

غالبًا آپ نے رموز بے خودی کے صفحات پر ہی نوٹ کئے ہوں گے،اگر ایسا ہو تو وہ کاپی ارسال فرمادیجئے،میں دوسری کاپی اس کے عوض میں آپ کی خدمت میں بھجوادوں گا۔

اس تکلیف کو میں ایک احسان تصور کروں گا۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

اقبال لاہور

---

[۶]

لاہور

۲۳رمئی ۱۹۱۸ء

مخدومی مولانا! السلام علیکم

چند اشعار معارف کے لئے ارسال خدمت ہیں، ان میں جو پسند آئے اسے شایع کیجئے۔امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

نہ سلیقہ مجھ میں کلیم کا نہ قرینہ تجھ میں خلیل کا
میں ہلاک جادوئے سامری تو قتیل شیوۂ آذری

میں نوائے سوختہ درگلو تو پریدہ رنگ رمیدہ بو
میں حکایت غم آرزو تو حدیث ماتم دلبری

مرا عیش غم، مرا شہد سم، مری بود ہم نفس عدم
ترا دل حرم گرد عجم ترا دیں خریدۂ کافری

تری راکھ میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوت حیدری

کوئی ایسی طرز طواف تو مجھے اے چراغِ حرم بتا
کہ ترے پتنگ کو پھر عطا ہو وہی سرشتِ سمندری

گلۂ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہلِ حرم سے ہے
کسی بتکدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

کرم اے شہِ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظرِ کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنہیں دماغِ سکندری

والسلام

مخلص

محمد اقبال لاہور

---

[۷]

لاہور

۳؍اکتوبر ۱۹۱۸ء

مخدوم مکرم جناب مولانا ! السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے، جس کے لئے نہایت ممنون ہوں، مجھے اس سے بہت فائدہ پہنچے گا۔ میں چند روز کے لئے شملہ گیا تھا، وہاں معلوم ہوا کہ آپ بھی وہاں تشریف رکھتے ہیں، افسوس ہے کہ آپ سے ملاقات نہ ہوسکی، مجھے ایک ضروری کام درپیش تھا، جس میں مصروفیت رہی، البتہ معنوی طور پر آپ کی صحبت رہی، کیوں کہ رات کو سیرت نبویؐ کا مطالعہ رہتا تھا، مولانا مرحوم نے مسلمانوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے، جس کا صلہ دربارِ نبویؐ سے عطا ہوگا۔

قوافی کے متعلق جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا بالکل بجا ہے، مگر چوں کہ شاعری اس مثنوی (اسرار خودی) سے مقصود نہ تھی، اس واسطے میں نے بعض باتوں میں عمداً تساہل برتا، اس کے علاوہ مولانا روم کی مثنوی میں تو قریباً ہر صفحہ پر اس قسم کے قوافی کی مثالیں ملتی ہیں اور ظہوری کے ساقی نامہ کے چند اشعار بھی زیر نظر تھے، غالباً اور مثنویوں میں بھی ایسی مثالیں ہوں گی۔

اصول تشبیہ کے متعلق کاش آپ سے زبانی گفتگو ہوسکتی۔ قوت واہمہ کے عمل کے رو سے بیدل اور غنی کا طریق زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، گو کتب بلاغت کے خلاف ہے۔ زمانۂ حال کے مغربی شعراء کا بھی طرزِ عمل یہی ہے، تاہم آپ کے ارشادات نہایت مفید ہیں اور میں ان سے مستفید ہونے کی پوری کوشش کروں گا۔

بحر تلخ رو، کلمہ بسکون لام، باریک تر از جو (بمعنی کم و در عرض و عمق) کوری ذوق، محفل از ساغر رنگین کردن، سرمۂ او دیدۂ مردم شکست، ساز برق آہنگ، از گل غربت (بمعنی شر) تو ابالیدن، صبح آفتاب در قفس وغیرہ کی مثالیں اساتذہ میں موجود ہیں، مگر اس خیال سے کہ آپ کا وقت ضایع ہوگا نظر انداز کرتا ہوں، البتہ اگر آپ اجازت دیں تو لکھوں گا، محض کرنے کے لئے کہ میں نے غلط مثالیں تو انتخاب نہیں کیں۔

ایک امر دریافت طلب ہے، اس سے آگاہ فرما کر ممنون کیجئے ''قطرۂ از نرگس شہلاستی'' پر جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا ہے میں نہیں سمجھ سکا، کیا آپ کا یہ مقصود ہے کہ قطرہ کا لفظ شہلا کے لئے (یعنی قطرۂ شہلا) موزوں نہیں، یا کچھ اور؟ علی ہذاالقیاس ''خیمہ برزد درحقیقت از مجاز'' نعرۂ زدشیرے از دامانِ دشت، باز بانت کلمۂ توحید خواند'' کے متعلق بھی یہی سوال ہے۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا، اس طویل خط کے لئے معافی چاہتا ہوں۔

مخلص محمد اقبال

---

[۸]

لاہور

۲۳/اکتوبر ۱۹۱۸ء

مخدومی ! السلام علیکم

آپ کے دونوں نوازش نامے مل گئے، جن کے لئے سراپا سپاس ہوں، میں بخار میں مبتلا تھا، اس لئے جواب نہ لکھ سکا، اس کے علاوہ ٹیک چند بہار کی ''ابطال ضرورت'' میرے پاس لاہور میں موجود نہ تھی، اس رسالہ میں لفظ کلمہ پر بحث ہے، دیکھ کر جواب عرض کروں گا، اور باقی اسناد بھی لکھوں گا۔

''سیر'' فارسی میں ان معنوں میں آتا ہے : سیر کردن، سیر زدن، سیر داشتن، بلکہ سیر دیدن بھی۔

عمرہا صائب بشہر عقل بودم کوچہ بند
کہ از شرم رخت برگل بہ چندیں رنگ خواہد شد

مدتے ہم باغزالاں سیر صحرا می زنم
تماشا دارد اے مہ بانو سیر گلستاں کردن

لفظ نعرہ حیوانات کی آواز کے لئے بھی آتا ہے، اس وقت نعرۂ اسپ کی سند موجود ہے اور مجھے یاد ہے شیر کے لئے بھی مستعمل ہوا ہے، انشاء اللہ عرض کروں گا، مگر میں نے اور وجوہ سے اس شعر میں ترمیم کردی ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ غریدن بہت بہتر ہے۔

دشت اور بیشہ مرادف بھی آتے ہیں اور دشت کے لئے ضرور نہیں کہ بالکل خشک ہو

میرس از آب و رنگِ کوہسارش
ہزاراں دشت لالہ داغ دارش
(یحیٰی شیرازی)

دشت در معنی آبادی و ویرانہ آیا ہے اور معنی کلیت کے پیدا کرتا ہے، مگر اس پر مزید بحث کی ضرورت نہیں کہ میں نے ہر دو اشعار زیر بحث میں ترمیم کردی ہے۔ دشت و در ایسا ہی ہے جیسے کوہ و دشت، پست و بلند سے تقطیع بھی نہیں گرتی، آپ نے مصرع صحیح نہیں لکھا ''نعرۂ زد شیرے در دامان دشت''، نہیں بلکہ ''نعرۂ زد شیرے از دامانِ دشت'' ہے۔ باقی باتیں انشاء اللہ دوسرے خط میں عرض کروں گا۔

جس توجہ سے آپ نے تنقیدی خطوط لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی ہے، اس کے لئے نہایت شکر گذار ہوں۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ مخلص

محمد اقبال

---

[۹]

لاہور

۳۰؍اکتوبر ۱۹۱۸ء

مخدومی ! السلام علیکم

اسناد حسب وعدہ حاضر ہیں:

۱۔ ازگل غربت زماں گم کردۂ (رموز)

آپ کا ارشاد اس مصرع پر یہ تھا کہ ''ازگل'' بمعنی بدولت اچھے معنوں میں آتا ہے، برے معنوں میں نہیں آتا، بہارعجم میں زیرلفظ گل یہ محاورہ بھی دیا ہے اور اشعار بھی دیئے ہیں:

ع زیر دست چرخ بودن از گل بے فطرتی ست

۲۔ محفل رنگیں بیک ساغر کند (رموز)

بہ ہفتاد و ملت گردش چشم نومی سازد

بہ یک پیمانہ رنگیں کردۂ یک شہر محفلہا (ناصرعلی)

۳۔ سرمۂ او دیدۂ مردم شکست (رموز)

چشم و گوش شکستن یعنی نابینا شدن (بہارعجم)

ترسم زگریہ چشم گہربار بشکند الخ (صائب)

۴۔ عشق را داغے مثالِ لالہ بس

در گر بیانش گل یک نالہ بس (رموز)

گل نالہ پر آپ کا ارشاد تھا:

چنگے تبار نغمۂ قانون شیرزن

گلبرگ نالۂ بگریبان رل فشاں (زلالی)

۵۔ ز آسماں آبگو ہم می چکد

من زجو باریک ترمی سازمش الخ (رموز)

لفظ باریک پر آپ کا ارشاد تھا کہ صحیح نہیں، باریک بمعنی کم درعرض وعمق بھی آیا ہے:

نازک تراست ازرگِ جاں گفتگوئے من

باریک شد محیط چو آمد بجوئے من (صائب)

از تواضع می تواں مغلوب کردن خصم را

می شود باریک چو سیلاب از پل بگذرد

۶۔ کور ذوقاں داستانہا ساختند الخ (رموز)

''کور ذوق'' کی نسبت آپ کا ارشاد تھا کہ بے مزہ ترکیب ہے۔

چہ غم زیں عروس سخن رابتر
کہ بر کور ذوقاں شود جلوہ گر (ظہوری)

کور ذوقاں بہ فیضِ تربیت
چو مسیحا مزاج دانِ سخن (ملاطغراء)

۷۔ نوابالیدن تانوائے یک اذان بالیدہ است (رموز)

تاچند ببالد نفس اندود نو ایم (بیدل)

۸۔ بحر تلخ رو بود بحر تلخ رو یک سادہ دشت (رموز)

تلخ رو، بحر کی صفات میں آتا ہے۔ (بہارعجم)

۹۔ نعرۂ زد شیرے ازدامانِ دشت (رموز)

منجملہ اور ارشادات کے ایک یہ ارشاد تھا کہ لفظ نعرہ شیر کے لئے ٹھیک نہیں، بہارعجم میں ایک شعر دیا ہے جس میں نعرۂ اسپ لکھا ہے۔

بابر ماند چونے برنہاد و نعرہ کشاد (معزفطرت)

۱۰۔ ساز برق آہنگ او نتواختہ (رموز)

آپ کا ارشاد تھا کہ ساز برق صحیح نہیں، لیکن مصرع میں ساز کی صفت برق آہنگ ہے اور برق آہنگ ساز کی صفت آتی ہے۔ (بہارعجم زیر لفظ ساز)

۱۱۔ ہم چو صبح آفتاب اندر قفس (رموز)

آپ کا ارشاد تھا کہ صبح کے لئے آفتاب کی کیا ضرورت ہے، یہ ترکیب مرزا بیدل کی ہے، میں نے اس کے لئے محل استعمال نیا پیدا کیا ہے، یعنی کعبۃ اللہ کے گرداگرد جب ملت بیضاء نماز پڑھتی ہے یا طواف کرتی ہے تو یہ نظارہ صبح آفتاب اندر قفس سے مشابہ ہے۔

ملّتِ بیضا بہ طوفش ہم نفس
ہم چو صبحِ آفتاب اندر قفس

۱۲۔ اے بصیری را روا بخشندۂ (رموز)

بصیری کے متعلق بھی یہی واقعہ مشہور ہے، فرق صرف اس قدر ہے کہ حضورؐ نے بصیری کو جو جذام میں مبتلا تھا اپنی چادر مطہر خواب میں عطا فرمائی تھی، جس کے اثر سے اس نے جذام سے نجات پائی، بعض لوگوں میں قصیدۂ بصیری بردہ کے نام سے مشہور ہے۔

۱۳۔ من شبے صدیق را دیدم بخواب
گل زخاکِ راہِ او چیدم بخواب

دوسرے مصرع پر آپ کا ارشاد تھا کہ مطلب زیادہ واضح ہونا چاہئے اور گل زخاکِ راہِ او چیدم کا کیا مطلب، یہ واقعہ خواب کا ہے جو خواب میں دیکھا گیا، بقیہ اس طرح نظم کر دیا گیا۔

۱۴۔ باز بانت کلمۂ توحید خواند
لفظ کلمہ کے متعلق بھی لکھوں گا۔

افسوس ہے کہ "ابطال ضرورت" دستیاب نہیں ہوئی، مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس رسالہ میں اس لفظ پر بحث ہے، بہت سے الفاظ جن کو اساتذہ نے بتحریک و بسکون دونوں طرح استعمال کیا ہے، انہوں نے کمی کر دی ہے، مثلاً رب ارنی، رمضان، حرکت متوازی، وقران وغیرہ، اس کا بسکون استعمال ہونا یقینی ہے، اسناد انشاء اللہ عرض کروں گا، جواہر الترکیب میں چار دفعہ بسکون لام آیا ہے۔

۱۵۔ فرد و قوم آئینۂ یک دیگرند
ہم خیال و ہم نشین و ہمسر اند (رموز)

لفظ ہم خیال کی نسبت آپ کو شبہ تھا۔

یاد ایامے کہ باہم آشنا بودیم ما
ہم خیال و ہم صفیر و ہم نوا بودیم ما

لیکن میں نے یہ لفظ شعر سے نکال دیا ہے۔

۱۶۔ بائے بسم اللہ (حضرت علی کے لئے) قاآنی نے لکھا ہے اور میم مروت مولانا جامی نے تحفۃ الاحرار میں لکھا ہے، میں نے میم مرگ لکھا تھا۔

۱۷۔ قوافی کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے کہ صحیح ہے، قاعدہ یہی ہے جو آپ تحریر فرماتے ہیں۔ مولانا روم ان باتوں کی پروانہیں کرتے، ظہوری کے دو شعر جو زیر نظر تھے عرض کرتا ہوں ۔

گل شوقم از آب و گل بر دمد
برقاصی از سینہ دل جہد

چو از چشم جادو بجا دو رود
باعجاز پہلو بہ پہلو زند

دوسرا شعر کسی قدر مشتبہ ہے، کوئی اور ایڈیشن ساقی نامہ کی دستیاب نہیں ہوئی، ورنہ مقابلہ کرتا، بہرحال قاعدہ کی خلاف ورزی کئے بغیر اگر شعر لکھا جاسکتا ہو تو قاعدہ توڑنے کی کیا ضرورت ہے، انشاءاللہ ان قوافی پر نظر ڈالا کروں گا۔

۱۸۔ ورثہ، دورہ، خیال وغیرہ کے متعلق آپ کا ارشاد بالکل بجا ہے، لیکن ان الفاظ کے متعلق پھر بھی کچھ عرض کروں گا۔

شاہ رمز آگاہ شد محو نماز
خیمہ برزد از حقیقت در مجاز
نعرۂ زد شیرے از دامانِ دشت
دشت و دراز ہیبتش لرزندہ گشت

ان اشعار کے متعلق جو کچھ آپ کا ارشاد ہے، اس سے مولوی اصغر علی رومی پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور اتفاق نہیں کرتے، لیکن فی الحال ان پیش کردہ اسناد سے مجھے تسکین نہیں ہوئی

،دو چار روز تک نتیجہ عرض کروں گا، ان اسناد کو ملاحظہ کیجئے اور بتایئے کہ کون سی صحیح اور کون سی غلط ہے، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

آپ کا مخلص محمد اقبال

---

[۱۰]

لاہور

۲۰ رنومبر ۱۹۱۸ء

مخدومی ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کئی روز ہوگئے، ایک عریضہ خدمت عالی میں لکھا تھا، جواب سے ہنوز محروم ہوں، ’’خیمہ برزد از حقیقت درمجاز‘‘ کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ از میں تجاوز کا مفہوم نہیں ہے کیوں کہ خیمہ برزدن کے معنی قیام کرنے کے ہیں، میں تلاش میں تھا کہ کوئی سند مل جائے، جیسا کہ میں نے گذشتہ خط میں عرض بھی کیا تھا، آج کلیات سعدی میں وہ سند مل گئی، جو ارسال خدمت ہے:

صوفی از صومعہ گو خیمہ بزن در گلزار
وقت آں نیست کہ درخانہ نشینی بیکار

بصیری کو چادر عطا ہونا کئی روایات میں آیا ہے۔ گذشتہ خط میں اس کا حوالہ لکھنا بھول گیا تھا، مولوی ذوالفقار علی دیوبندی نے شرح قصیدۂ بردہ میں منجملہ اور روایات کے اور روایت بھی لکھی ہے، مطلع فرمایئے کہ جو اسناد میں نے اپنے خطوط میں لکھے ہیں ان کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے؟ الفاظ ورثہ اور خیال کے متعلق بھی عرض کروں گا۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

آپ کا مخلص محمد اقبال

---

[۱۱]

لاہور

۲/دسمبر ۱۹۱۸ء

مخدومی ! السلام علیکم

والا نامہ مل گیا ہے، حالات معلوم ہونے پر طبیعت بہت متاثر ہوئی، اللہ آپ کو اطمینان قلب عطا فرمائے۔ آپ کا یہ فقرہ کہ ''میرے ساتھ خدا کا معاملہ عجیب ہے'' گویا تمام ملت مرحومہ کے احساسات کا ترجمان ہے، جو قوم ایک مشن لے کر پیدا ہوئی ہے اس کی روحانی تربیت کے لئے ابتلا کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ ایک انگریزی مصنف جسے ابتلاء کے دوررس نتائج کا تجربہ ہو چکا تھا لکھتا ہے ''دکھ دیوتاؤں کی ایک رحمت عظیم ہے تاکہ انسان زندگی کے ہر پہلو کا مشاہدہ کر سکے''۔ آپ امت محمدیہ کے خاص افراد میں سے ہیں اور اس مامور من اللہ قوم کے خاص افراد کو ہی امر الٰہی ودیعت کیا گیا ہے، فرقۂ یاسیہ کو چھوڑ کر فرقہ رجائیہ میں آجایئے جس حقیقت کو آپ زیر پردہ دیکھ چکے ہیں، اس کی بے نقابی کا زمانہ قریب ہے، انشاء اللہ ؎

زمانہ باز بیفروخت آتشِ نمرود

کہ بے نقاب شود جوہرِ مسلمانی

شخصی اعتبار سے مجھے آپ کے ساتھ حد درجہ ہمدردی ہے، یقین جانئے کہ آپ کے الفاظ نے میرے دل پر سوز و گداز کی کیفیت طاری کر دی اور میں دست بدعاء ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آلام و مصائب میں استقامت عطا فرمائے۔

ہاں ترجمہ کی داد دیتا ہوں، لٹریری اغراض کے لئے یہ ترجمہ نہایت عمدہ ہے، میرے خیال میں اس سے بہتر الفاظ نہ مل سکیں گے، البتہ فلسفیانہ اغراض کے لئے شاید اور الفاظ وضع کئے جائیں تو بہتر ہوگا۔

پنجاب میں بھی بیماری [۱] نے غضب ڈھایا، لاہور میں تو چند روز یہ حالت رہی کہ گورگن بھی نہ مل سکتے تھے، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

آپ کا مخلص محمد اقبال

[۱] گذشتہ بڑی جنگ کے بعد انفلوئنزا کی سخت مہلک وبا نمودار ہوئی تھی۔

[۱۲]

لاہور

۸/دسمبر ۱۹۱۸ء

مخدومی! السلام علیکم

رموز بے خودی کی لغزشوں سے آگاہ کرنے کا وعدہ آپ نے کیا تھا، اب تو ایک ماہ سے بہت زیادہ عرصہ ہو گیا، امید کہ توجہ فرمائی جائے گی تا کہ میں دوسرے ایڈیشن میں آپ کے ارشادات سے مستفید ہو سکوں۔

وسا تیر کے حوالوں کے متعلق آپ نے لکھا تھا، اس وقت اورینٹل کالج لاہور کا کتب خانہ بند تھا اور اب بھی بند ہے، اکتوبر میں کھلے گا، اگر کچھ حوالے دستیاب ہو گئے تو عرض کروں گا

والسلام

مخلص محمد اقبال لاہور

روس کے مسلمانوں کے متعلق جو مضمون معارف میں شائع ہوا ہے اسے ایک علاحدہ رسالہ کی صورت میں شائع کرنا چاہئے۔ محمد اقبال

[۱۳]

لاہور

۲۳/مارچ ۱۹۱۹ء

مخدومی! السلام علیکم

ایک عرصہ سے آپ کی خیریت معلوم نہیں ہوئی۔ معارف میں حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قبلہ کا ایک خط شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے طرفہ کا ایک مقبول عربی شعر نقل کیا ہے، کیا آپ یہ بتانے کی زحمت گوارہ کرسکتے ہیں کہ یہ خط مالطہ سے کون سی تاریخ کو لکھا گیا تھا، صاحب مضمون نے خط کی تاریخ نہیں بتائی، امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

محمد اقبال

---

[۱۴]

لاہور

۳/اپریل ۱۹۱۹ء

مخدومی! السلام علیکم

والا نامہ ملا، جس کے لئے سراپا سپاس ہوں، الحمد اللہ کہ مولانا آزاد کو آزادی [۱] ملی، کیف باطن میں بالخصوص آج کل ''صحو'' ہی کی ضرورت ہے، نبی کریمؐ نے صحابہؓ کی تربیت اسی حال میں کی تھی، ''سکر'' کی حالت عمل کی دشوار گذار منزل کو طے کر لینے کے بعد ہو تو مفید ہے، باقی حالات میں اس کا اثر روح پر ایسا ہی ہے جیسا جسم پر افیون کا، مولانا آزاد اب کہاں ہیں؟ پتہ لکھئے کہ ان کی خدمت میں عریضہ لکھوں۔

میری خامیوں سے مجھے ضرور آگاہ کیا کیجئے، آپ کو زحمت تو ہوگی لیکن مجھے فائدہ ہوگا، [۲]، ''بادۂ نارسا'' کے لئے مجھے کوئی سند یاد نہیں، بادۂ نارس یا میوۂ نارس (بمعنی خام) لکھتے ہیں، لفظ مینار (بغیری کے ہے) یہ الفاظ اس زمانہ کی نظموں میں واقع ہوئے ہیں جس زمانہ میں میں سمجھتا تھا کہ لٹریچر میں ہر طرح کی آزادی لے سکتے ہیں، یہاں تک کہ بعض نظموں میں میں نے اصول بحر کا بھی خیال نہیں کیا، اور ارادۃً۔

مجموعہ [۳] اب تک مرتب نہ ہو سکنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اب ان تمام لفظوں پر نظر ثانی کرنا چاہتا ہوں جس کے لئے فرصت نہیں ملتی، انشاء اللہ بعد از نظر ثانی شائع کروں گا، اگر

چہ مقصود اس شعر گوئی کا نہ شاعری ہے نہ زبان۔ مولانا گرامی جالندھری (شاعر حضور نظام) نے ایک غزل لکھ کر ڈاک میں ارسال کی ہے، جس کے اشعار عرض کرتا ہوں، پسند ہوں تو معارف میں شائع کیجئے۔

پنہا نم و پیدا یم کیفم بشر اب اندر	پیدا یم و پنہانم داغم بہ کباب اندر
دیباچہ بودم ، ہیچ اگیزد چودم ہیچ	مضمون خیالم من پیچیدہ بخواب اندر
آں نکت کہ عارف را آورد بوجد این ست	جان ہست بجسم اندر دریابہ حباب اندر
ازموسی من می پرس ازغیر چہ می پرسی،	شوقم بسوال اندر ذوقم بہ جو اب اندر
رمزیست حکیمانہ می خوانم ومی رقصم	خواب است بمرگ اندر مرگ است بخواب اندر
ورکش مکش لائیم، درجذبۂ اِلّا ئیم	ہیچم و ہمہ مائیم چوں عکس بہ آب اندر
دید یدیم گرامی رادرخلد بریں اِمشب	ابلہ بہ بہشت اندر دانا بعذاب اندر

مخلص محمد اقبال

---

[۱] مولانا ابوالکلام آزاد رانچی کی نظر بندی سے جنگ عظیم کے بعد رہا ہوئے تھے۔

[۲] دو غلط لفظ اقبال نے استعمال کئے تھے۔

[۳] میرا بار بار اصرار تھا کہ اردو نظموں کا مجموعہ چھپوا دیجئے، یہی مجموعہ بانگ درا کے نام سے چھپا ہے۔

---

[۱۵]

لاہور

۲۶؍اگست ۱۹۱۹ء

مخدومی! السلام علیکم

معارف میں ابھی تصوف و تناسخ پر ایک مضمون نظر سے گذارا، ہندوستان ریویو میں بھی میں نے یہ مضمون دیکھا تھا، خیر علمی اعتبار سے تو اس کی وقعت کچھ بھی نہیں، البتہ ایک بات

آپ سے دریافت طلب ہے، ''ہم چو سبزہ بار ہا روئیدہ ام'' الخ کی نسبت آپ نے لکھا ہے کہ یہ مولانا کا شعر ہے، مجھے ایک عرصہ سے اس میں تامل ہے، مثنوی کبھی شروع سے لے کر آخر تک پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا مگر ایک قابل اعتبار بزرگ نے قریباً چار سال ہوئے مجھ سے کہا تھا کہ یہ شعر مولانا کا نہیں ہے، اور نہ مثنوی میں ہے، اگر مثنوی کے کسی ایڈیشن میں آپ کی نظر سے یہ شعر گذرا ہو تو مہربانی کر کے ایڈیشن اور صفحہ کا حوالہ دے کر ممنون [۱] کیجئے۔ زیادہ کیا عرض کروں، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

آپ کا مخلص محمد اقبال

---

[۱] یہ شعر مولانا کی مثنوی میں نہیں، مولانا کے کلیات میں ہے۔

---

[۱۶]

لاہور

۱۷ ستمبر ۱۹۱۹ء

مخدومی! السلام علیکم، والا نامہ کئی دنوں سے آیا رکھا ہے، مگر میں لاہور میں نہ تھا، اس واسطے جواب میں تاخیر ہوئی، معاف فرمایئے گا۔

یہ شعر گلشن راز کا نہیں ہوسکتا، اس کی بحر اور ہے

یقین داند کہ ہستی جز یکے نیست

انشاء اللہ معارف کے لئے کچھ نہ کچھ لکھوں گا، کئی ماہ کے بعد صرف تین شعر لکھے تھے، نقیب [۱] کا عرصہ سے تقاضا تھا، اس کے لئے بھیج دیے۔

میں تو اپنے اشعار کو چنداں وقعت نہیں دیتا، لیکن جب ایڈیٹر معارف ان کے لئے تقاضا کرتے ہیں تو شبہہ ہوتا ہے کہ شاید ایسا ہی کچھ ہو۔

حیدرآباد کے متعلق مجھے کچھ علم نہیں، افواہاً میں نے کئی دفعہ سنا ہے کہ وہاں اقبال کا

تذکرہ ہے، مگر مجھ تک کوئی باقاعدہ اطلاع نہیں آئی، نہ میں نے خود کوئی درخواست آج تک کی۔

مخلص محمد اقبال لاہور

---

[۱] اشارہ ہز ہائنس آغا خان کی طرف ہے، مجلس خلافت کی بنیاد اس طرح پڑی تھی، یعنی یہ کہ آغا خان نے منشی مشیر حسین صاحب قدوائی مرحوم بیرسٹر۔

---

[۱۷]

لاہور

۲۴ ستمبر ۱۹۱۹ء

مخدومی! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

دوسرے صفحہ پر چند اشعار معارف کے لئے لکھتا ہوں، مدت سے یہ بات میرے دل میں کھٹک رہی تھی۔ گذشتہ رات زکام کی وجہ سے سو نہ سکا، یہ تاثر ایک چھوٹی سی تضمین کی صورت میں منتقل ہو گیا، دردسر نے زیادہ شعر نہ لکھنے دیے اور نہ طبیعت پر زیادہ زور دے سکا، معلوم نہیں آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے، واقعات صاف اور نمایاں ہیں، مگر ہندوستان کے سادہ لوح مسلمان نہیں سمجھتے اور لندن کے شیعوں کے اشارے پر ناچتے چلے جاتے ہیں، افسوس مفصل عرض نہیں کر سکتا کہ زمانہ نازک ہے، بہر حال اگر یہ اشعار آپ کو پسند نہ ہوں یا رسالہ معارف کے لئے آپ انہیں موزوں نہ تصور فرمائیں تو واپس بھیج دیجئے۔

مسئلہ تصویر پر آپ نے خوب لکھا، اور اصول تشریعی واضح کر کے کئی اور مسائل کو بالکنایہ حل کر دیا، للہ درّک، اس خط کو پرائیوٹ تصور فرمائیے۔

بہت آزمایا ہے غیروں کو تو نے — مگر آج ہے وقت خویش آزمائی

نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا — خلافت کی کرنے لگا تو گدائی

خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے — مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشاہی

مرا از شکستن چنیں عار نا ید — کہ از دیگراں خواستن مومیائی

عنوان ان اشعار کا آپ خود تجویز کرلیں، اصل فارسی شعر میں دیگراں کی جگہ ''نا کساں'' ہے، میں نے یہ لفظی تغیر ارادۃً کیا ہے۔

مخلص محمد اقبال

---

[۱۸]

لاہور

۱۰/اکتوبر ۱۹۱۹ء

مخدومی! السلام علیکم

نوازش نامہ ملا، عنوان جو آپ نے تجویز فرمایا ہے ٹھیک ہے، تبصرہ کے متعلق میں یہی مشورہ دوں گا کہ میرا مجموعہ [۱] شائع ہولے تو لکھئے، فی الحال میں ایک مغربی شاعر کے دیوان کا جواب لکھ رہا ہوں، جس کا قریباً نصف حصہ لکھ چکا ہے، کچھ نظمیں فارسی میں ہوں گی کچھ اردو میں کلام کا بہت سا حصہ نظر ثانی کا محتاج ہے، لیکن اور مشاغل اتنی فرصت نہیں چھوڑتے کہ ادھر توجہ کرسکوں، تاہم جو کچھ ممکن ہے کرتا ہوں، شاعری میں لٹریچر بحیثیت لٹریچر کے کبھی میرا مطمح نظر نہیں رہا، کہ فن کی باریکیوں کی طرف توجہ کرنے کے لئے وقت نہیں، مقصود صرف یہ ہے کہ خیالات میں انقلاب پیدا ہو اور بس، اس بات کو مدنظر رکھ کر جن خیالات کو مفید سمجھتا ہوں، ان کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہوں، کیا عجب کہ آئندہ نسلیں مجھے شاعر تصور نہ کریں، اس واسطے کہ آرٹ [فن] غایت درجہ کی جانکاہی چاہتا ہے، اور یہ بات موجودہ حالات میں میرے لئے ممکن نہیں، جرمنی کے دو بڑے شاعر بیرسٹر تھے، یعنی گوئٹے اور اوہلنڈ، گوئٹے تھوڑے دن پریکٹس کے بعد کی ریاست کا تعلیمی مشیر بن گیا اور اس طرح فن کے باریکیوں کی طرف توجہ کرنے کا اسے پورا موقع مل گیا، اوہلنڈ تمام عمر مقدمات پر بحث کرتا رہا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت تھوڑی نظمیں لکھ سکا، اور وہ کمال پورے طور پر نشو ونما پاسکا جو اس کی فطرت میں ودیعت کیا

گیا تھا،غرض یہ کہ موجودہ حالات میں میرے افکار اس قابل نہیں کہ ان کی تنقید کے لئے سید سلیمان کا دل ودماغ صرف ہو،لیکن اگر احباب تبصرہ پر مصر ہیں تو یہی بہتر ہے کہ مجموعہ کا انتظار کیا جائے،اس کے علاوہ میں اپنے دل ودماغ کی سرگذشت بھی مختصر طور پر لکھنا چاہتا ہوں،اور یہ سرگذشت کلام پر روشنی ڈالنے کے لئے نہایت ضروری ہے، مجھے یقین ہے کہ جو خیالات اس وقت میرے کلام اور افکار کے متعلق لوگوں کے دلوں میں ہیں، اس تحریر سے ان میں بہت انقلاب پیدا ہوگا۔

کاش ''یاجوج ماجوج'' پر آپ کوئی مضمون لکھتے، یہ امر تحقیق کا محتاج ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں،امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

محمد اقبال

---

[۱] پیام مشرق کی تالیف کی اطلاع

---

[۱۹]

لاہور

۱۰رنومبر ۱۹۱۹ء

مخدومی! السلام علیکم

کئی دنوں سے آپ کو خط لکھنے کا قصد کر رہا تھا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ موکلین وکلاء کے پاس جب مقدمات کی پیشی کے لئے آتے ہیں تو ان میں سے بعض پھل پھول یا مٹھائی کی صورت میں ہدیہ لے آتے ہیں، یہ ہدایا فیس مقررہ کے علاوہ ہوتے ہیں اور وہ لوگ اپنی خوشی سے لاتے ہیں،کیا یہ مال مسلمانوں کے لئے حلال ہے۔

مولانا ابوالکلام کا تذکرہ آپ کی نظر سے گذرا ہوگا، بہت دلچسپ کتاب ہے،مگر دیباچہ میں مولوی فضل الدین احمد[۱] لکھتے ہیں کہ ''اقبال کی مثنویاں تحریک الہلال ہی کی آواز

بازگشت ہیں،'' شاید ان کو یہ معلوم نہیں کہ جو خیالات میں نے ان مثنویوں میں ظاہر کئے ہیں، ان کو برابر ۱۹۰۷ء سے ظاہر کر رہا ہوں، اس کے شواہد میری مطبوعہ تحریر میں نظم ونثر و انگریزی و اردو میں موجود ہیں، جو غالبًا مولوی صاحب کے پیش نظر نہ تھیں، بہر حال اس کا کچھ افسوس نہیں کہ انہوں نے ایسا لکھا، مقصود اسلامی حقایق کی اشاعت ہے، نہ نام آوری، البتہ اس بات سے مجھے رنج ہوا کہ ان کے خیال میں اقبال تحریک الہلال سے پہلے مسلمان نہ تھا۔ تحریک الہلال نے اسے مسلمان کیا، ان کی عبارت سے ایسا خیال مترشح ہوتا ہے، ممکن ہے ان کا مقصود یہ نہ ہو، میرے دل میں مولانا ابوالکلام کی بڑی عزت ہے، اور ان کی تحریک سے ہمدردی، مگر کسی تحریک کی وقعت بڑھانے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اوروں کی دل آزاری کی جائے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''اقبال کے جو مذہبی خیالات اس سے پہلے سنے گئے ان میں اور مثنویوں میں زمین آسمان کا فرق ہے''۔ معلوم نہیں انہوں نے کیا سنا تھا اور سنی سنائی بات پر اعتبار کر کے ایسا جملہ لکھنا جس کے کئی معنی ہو سکتے ہیں، کسی طرح ان لوگوں کے شایانِ شان نہیں جو اصلاح کے علمبردار ہوں۔ مجھے نہیں معلوم مولوی فضل الدین صاحب کہاں ہیں، ورنہ یہ موخر الذکر شکایت براہ راست ان سے کرتا، اگر آپ سے ان کی ملاقات ہو تو میری شکایت ان تک پہنچایئے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

آپ کا خادم

محمد اقبال لاہور

---

(۱) مولوی فضل الدین احمد اس زمانہ میں گویا البلاغ پریس کے منیجر تھے۔

---

[۲۰]

لاہور

۱۰/ اکتوبر ۱۹۲۰ء

مخدومی ! السلام علیکم

مراجعت[۱]مع الخیر مبارک، آپ نے بڑا کام کیا ہے جس کا صلہ قوم کی طرف سے شکرگذاری کی صورت میں مل رہا ہے، اور دربارِ نبویؐ سے نہ معلوم کس صورت میں عطا ہوگا، وزرائے انگلستان کا جواب وہی ہے جو ان حالات میں ہمیشہ دیا گیا ہے۔

اَنُؤْمِنُ [۲] لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُوْنَ.

تاہم مجھے یقین ہے کہ ہندی وفد کا سفر یورپ بڑے اہم نتائج پیدا کرے گا۔

امید کہ آپ کی صحت اچھی ہوگی۔

والسلام

مخلص محمد اقبال

---

[۱]حضرت سید صاحبؒ کے سفر یورپ سے واپسی پر

[۲] یہ قرآن پاک کی آیت اس موقع کی ہے جب فرعون نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ پر ایمان لانے سے اس لئے انکار کر دیا تھا کہ یہ دونوں عام بشر تھے اور ان کی قوم فرعون کی غلام رعایا میں تھی، اس آیت کا ترجمہ بھی یہی ہے۔

---

[۲۱]

لاہور

۲۳ردسمبر ۱۹۲۰ء

مخدومی ! السلام علیکم

سیرت عائشہؓ کے لئے سراپا سپاس ہوں، یہ ہدیۂ سلیمانی نہیں سرمۂ سلیمانی ہے، اس کتاب کو پڑھنے سے میرے علم میں بہت مفید اضافہ ہوا، خدا تعالیٰ جزائے خیر دے۔

یہ معلوم کر کے تعجب ہوا کہ حمیرا والی سب احادیث موضوعات میں ہیں، کیا ''کلمینی یا حمیرا'' بھی موضوع ہے، کمال کا شعر کیا مزے کا ہے ۔

ایں تصرف ہائے من در شعر من
کلمینی یا حمیرائے من است

زیادہ کیا عرض کروں، امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ محمد اقبال

---

[۲۲]

لاہور

۵/اکتوبر ۱۹۲۱ء

مخدومی ! تسلیم

ستمبر کا معارف ابھی نظر سے گذرا ہے، اس میں مسٹر ڈکنسن کے ریویو (اسرار خودی) کا ترجمہ آپ نے شایع کیا ہے، ترجمۂ مذکور کا ایک فقرہ یہ ہے: ''اقبال ان تمام فلسفوں کے دشمن ہیں جو شے واجب الوجود کو تسلیم کرتے ہیں''۔ (ص ۲۱۴)

اگر آپ کے پاس رسالہ نیشن (Nation) موجود ہو جس میں انگریزی ریویو شایع ہوا تھا تو میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں، مہربانی کر کے ایک آدھ روز کے لئے بھیج دیجئے، مجھے ایسا خیال ہے کہ غالبًا مذکورۂ بالا فقرہ اس ریویو میں نہیں ہے، یا اس کی جگہ کچھ اور ہے، مقصود یہ معلوم کرنا ہے کہ کہیں ترجمہ میں سہو تو نہیں ہو گیا۔

کیا حکمائے صوفیۂ اسلام میں سے کسی نے زمان و مکان کی حقیقت پر بھی بحث کی ہے ؟۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

مولوی عبدالماجد [۱] صاحب کا پتہ معلوم نہ تھا، اس واسطے آپ کو زحمت دی گئی۔

محمد اقبال

---

[۱] مولانا عبدالماجد صاحب ان دنوں معارف کے شریک ایڈیٹر تھے۔

[۲۳]

لاہور

۲۸/نومبر ۱۹۲۱ء

مخدومی ! السلام علیکم

پوسٹ کارڈ ابھی ملا ہے، جس کے لئے سراپا سپاس ہوں، کیا کتب خانہ بانکی پور سے کتاب عاریۃً مل سکتی ہے، میں اس کتاب کے دیکھنے کا مدت سے خواہش مند ہوں، انگلستان اور یورپ میں تو کتابیں عاریۃً مل سکتی ہیں، معلوم نہیں اس لائبریری کا کیا قاعدہ ہے، شاید پنجاب یونیورسٹی کے معرفت لکھنے سے مل جائے، غالبًا قلمی نسخہ ہوگا، والسلام

مخلص محمد اقبال لاہور

[۲۴]

لاہور

۲۰/اپریل ۱۹۲۲ء

مخدومی ! السلام علیکم

ایک عرصہ سے آپ کو خط لکھنے کا قصد کر رہا تھا، دو باتیں دریافت طلب ہیں۔

۱۔ متکلمین میں سے بعض نے علم مناظر و مرایا کے رو سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ خدا تعالیٰ کی رویت ممکن ہے، یہ بحث کہاں ملے گی، میں اس مضمون کو دیکھنا چاہتا ہوں۔

۲۔ مرزا غالب کے اس شعر کا مفہوم آپ کے نزدیک کیا ہے ؎

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود
رحمۃٌ للعالمینےؐ ہم بود

حال کے ہیئت داں کہتے ہیں کہ بعض سیاروں میں انسان یا انسانوں سے اعلیٰ تر مخلوق

کی آبادی ممکن ہے، اگر ایسا ہوتو رحمۃ اللعالمین ؐ کا ظہور وہاں بھی ضروری[۱] ہے، اس صورت میں کم از کم محمد ﷺ کے لئے تناسخ یا بروز لازم آتا ہے، شیخ اشراق تناسخ کے ایک شکل میں قائل تھے، ان کے اس عقیدہ کی وجہ یہی تو نہ تھی۔[۲]

میں نقرس کی وجہ سے دو ماہ کے قریب صاحب فراش رہا۔ اب کچھ افاقہ ہوا ہے، امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

والسلام

محمد اقبال لاہور

---

[۱] اس معنی کا ایک اثر بھی تفسیروں میں مروی ہے جو اثر ابن عباس کے نام سے ہے، اس اثر کی تاویل و تشریح میں مولانا قاسم صاحبؒ کا رسالہ تحذیر الناس فی اثر ابن عباس اور مولانا عبدالحئی فرنگی محلی صاحب کا مضمون ہے جو اس بحث میں دیکھنے کے قابل ہے۔

[۲] یہ وجہ نہیں شیخ الاشراق ایرانی فلسفہ سے متاثر تھے اور وہاں سے یہ خیال ان تک پہنچا تھا، دیکھئے شرح کلمۃ الاشراق مقالہ خامسہ۔

---

[۴۵]

لاہور

۱۴/مئی ۱۹۲۲ء

مخدومی ! السلام علیکم

والا نامہ ملا، جس کے لئے سراپا سپاس ہوں، رویت باری کے متعلق جو استفسار میں نے آپ سے کیا تھا، اس کا مقصود فلسفیانہ تحقیقات نہ تھی، خیال تھا کہ شاید اس بحث میں کوئی بات ایسی نکل آئے، جس سے آئین اسٹائن کے انقلاب انگیز نظریۂ نور پر کچھ روشنی پڑے، اس خیال کو ابن رشد کے ایک رسالہ سے تقویت ہوئی، جس میں انہوں نے ابوالمعالی کے رسالہ سے ایک فقرہ اقتباس کیا ہے، ابوالمعالی کا خیال آئین سٹائن سے بہت ملتا جلتا ہے، گو مقدم

الذکر کے ہاں یہ بات محض ایک قیاس ہے، اور موخر الذکر نے اسے علم ریاضی کی رو سے ثابت کر دیا ہے۔

اگر چہ یورپ نے مجھے بدعت کا چسکا ڈال دیا ہے، تاہم مسلک میرا وہی ہے جو قرآن کا ہے اور جس کو آپ نے آیت شریفہ کے حوالہ سے بیان فرمایا ہے۔ خلافت پر جو مضامین آپ نے لکھے نہایت قابل قدر ہیں۔ ان سب کو ایک علیحدہ رسالہ کی صورت میں شایع ہونا چاہئے۔

نظم خضر راہ جو انجمن کے سالانہ جلسہ میں پڑھی تھی، ایک علیحدہ کتاب کی صورت میں شایع ہو گئی تھی، میں آج دریافت کراؤں گا، اگر کوئی کاپی اس کی موجود ہے تو خدمت والا میں ارسال کرادوں گا، ساری نظم کا چھپنا تو اب ٹھیک نہیں، اور نہ اس قدر گنجایش معارف میں ہوگی، لیکن اگر کوئی بند آپ کو پسند آجائے تو اسے چھاپ دیجئے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

گوئٹے (شاعر جرمنی) کے ''مشرقی دیوان'' کے جواب میں میں نے ایک مجموعہ فارسی اشعار کا لکھا ہے، عنقریب شایع ہوگا، اس کے دیباچہ میں یہ دکھانے کی کوشش کروں گا کہ فارسی لٹریچر نے جرمن لٹریچر پر کیا اثر کیا ہے۔

والسلام

محمد اقبال

---

[۲۶]

لاہور

۲۹؍مئی ۱۹۲۲ء

عید مبارک باشد

مخدومی ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میں آپ کو خط لکھنے والا تھا کہ مفتی عالم جان [۱] کے حالات معارف میں شایع کئے جائیں، مسلم اسٹنڈرڈ لندن نے ان کے کچھ حالات شایع کیے تھے۔ آج کے معارف میں

میری آرزو سے بڑھ کر مضمون لکھا گیا، جزاک اللہ۔ معارف کا ایڈیٹر صاحب کشف نہ ہوگا تو اور کون ہوگا۔ حال کے روسی علماء کے بعض تصانیف اسلام کے متعلق اگر دستیاب ہو جائیں تو ان کا ترجمہ ہندوستان میں شایع ہونا چاہیئے۔

خصرراہ[۲] کے متعلق جونوٹ آپ نے لکھا اس کا شکریہ قبول فرمایئے۔

جوش بیان کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا صحیح ہے، مگر یہ نقص اس نظم کے لئے ضروری تھا (کم ازکم میرے خیال میں) جناب خضر کی پختہ کاری، ان کا تجربہ اور واقعات وحوادث عالم پر ان کی نظر، ان سب باتوں کے علاوہ ان کا انداز طبیعت جو سورۂ کہف سے معلوم ہوتا ہے، اس بات کا مقتضی تھا کہ جوش اور تخیل کو ان کے ارشادات میں کم دخل ہو، اس نظم کے بعض بند میں نے خود نکال دیے اور محض اس وجہ سے کہ ان کا جوش بیان بہت بڑھا ہوا تھا اور جناب خضر کے انداز طبیعت سے موافقت نہ رکھتا تھا، یہ بند کسی اور نظم کا حصّہ بن جائیں گے۔ امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا،

والسلام

محمد اقبال لاہور

---

[۱] روسی مسلمان عالم

[۲] علامہ محمد اقبال کی ایک نظم

---

[۲۷]

لاہور

۵؍جولائی ۱۹۲۲ء

مخدومی ! السلام علیکم

پیام مشرق پر جونوٹ آپ نے معارف میں لکھا ہے اس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔

پروفیسر نکلسن کا خط بھی آیا ہے، انہوں نے اسے بہت پسند کیا ہے اور غالبًا اس کا ترجمہ بھی کریں گے، وہ لکھتے ہیں کہ یہ کتاب جدید اور اوریجنل خیالات سے مملو ہے، اور گوئٹے کے 'دیوان مغربی' کا قابل تحسین جواب ہے، مگر میرے لئے آپ کی رائے پروفیسر نکلسن کی رائے سے زیادہ قابل افتخار ہے۔

سید نجیب اشرف (۱) صاحب نے اپنے مضمون میں محمد دارال لطیفۂ غیبیہ کا ذکر کیا ہے، یہ چھوٹی سی کتاب ہے اور میں نے ایران سے منگوائی ہے، اگر وہ یا آپ اسے دیکھنا چاہیں تو بھیج دوں، ندوہ والے اسے دیکھیں گے تو کوئی نہ کوئی بات پیدا کریں گے۔

اب کے انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ پر آپ سے ملنے کی توقع تھی، میں اسی خیال سے جلسہ میں گیا کہ آپ کو اپنے ہاں مہمان کرنے کے لئے لیتا آؤں گا، مگر جلسہ میں جا کر مایوسی ہوئی۔ انشاءاللہ پھر کبھی موقع پیدا ہوگا۔ کیا تفہیمات الٰہیہ چھپ گئی ہے۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا،

والسلام

محمد اقبال

---

(۱) جناب سید نجیب اشرف ندوی دیسنوی مرحوم سابق رفیق دارالمصنّفین، مرتب رقعات عالمگیر و مقدمۂ رقعات عالمگیر۔

---

[۲۸]

شملہ نو بہار

۳؍اگست ۱۹۲۲ء

مخدومی ! السلام علیکم

میں کچھ دنوں کے لئے شملہ میں قیام پذیر ہوں، نقرس کے دورہ کی وجہ سے صحت اچھی نہیں رہتی۔

مردانِ خدا خدا نہ باشند　　　　لیکن ز خدا جدا نہ باشند

کس کا شعر ہے؟ ایک امر کے لیے اس کی تحقیق ضروری ہے، ممکن ہے آپ کی نظر سے کسی تذکرہ میں یہ شعر گذرا ہو، عام طور پر مشہور ہے، میں چند روز اور شملہ میں ہوں، اگر آپ جلد جواب دیں تو مندرجۂ بالا پتے پر خط لکھیں، اور اگر کچھ دنوں کے بعد لکھنا ہو تو لاہور کے پتہ سے تحریر فرمائیں۔

امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

محمد اقبال بیرسٹر

---

[۲۹]

لاہور

۲۲ر اگست ۱۹۲۲ء

مخدومی جناب مولانا ! السلام علیکم

نوازش نامہ ابھی ملا ہے، جس کے لئے بہت شکر گذار ہوں، جتنی آگاہی آپ نے دے دی ہے وہ اگر زمانہ فرصت دے تو باقی عمر کے لئے کافی ہے۔

مولانا حکیم برکات احمد صاحب بہاری ثم ٹونکی کا رسالہ تحقیق زمان مطبوعہ ہے یا قلمی؟ اگر قلمی ہے تو کہاں سے عاریۃً ملے گا، علیٰ ہذا القیاس، مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی طبقات، قاضی محبّ اللہ کے جواہر الفرد اور حافظ امان اللہ بنارسی کی تمام تصانیف کہاں سے دستیاب ہوں گی؟

زمان و مکان و حرکت کی بحث اس وقت فلسفہ اور سائنس کے مباحث میں سب سے زیادہ اہم ہے۔ میری ایک مدت سے خواہش ہے کہ اسلامی حکماء وصوفیہ کے نقطۂ نگاہ سے یورپ کو روشناس کرایا جائے، مجھے یقین ہے کہ اس کا بہت اچھا اثر ہوگا۔

میرے لکچر آکسفورڈ یونیورسٹی چھاپ رہی ہے، اردو ترجمہ نیازی صاحب نے ختم کرلیا ہے، اس کی طباعت بھی عنقریب شروع ہوگی۔

جن کتابوں کا آپ نے اپنے والا نامہ میں ذکر فرمایا ہے، کیا آپ کے کتب خانہ دارالمصنّفین میں موجود ہیں، اگر ہوں تو میں چند روز کے لئے وہیں حاضر ہو جاؤں اور آپ کی مدد سے ان میں سے بعض کو دیکھ سکوں۔

پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ان میں سے بعض موجود ہیں، مگر سب نہیں، اس کے علاوہ یہاں علمی شغف رکھنے والے علماء بھی موجود نہیں ہیں جن سے وقتاً فوقتاً استفادہ کیا جائے، فی الحال میں مولوی نورالحق صاحب کی مدد سے مباحث [۱] مشرقیہ دیکھ رہا ہوں، اس کے بعد شرح [۲] مواقف دیکھنے کا قصد ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

جو زحمت میں کبھی کبھی آپ کو دیتا ہوں اس کے لئے معاف فرمایا کریں۔ حضرت ابن عربی کے بحث زمان کا ملخص اگر عطا ہو جائے تو بہت عنایت ہوگی۔

آپ کے ملخص کی روشنی میں کتاب میں خود پڑھوں گا،   والسلام

محمد اقبال

---

[۱] طبیعیات والٰہیات میں امام رازی کی اہم تصنیف

[۲] فلسفہ وکلام کی مشہور کتاب

---

[۳۰]

لاہور

۲۳؍جنوری ۱۹۲۴ء

مخدومی !

السلام علیکم، رسالہ ذخیرۃ الدینیہ جاوا سے نکلنا شروع ہوا ہے، آپ کی خدمت میں بھی پہونچا ہوگا، ایڈیٹر واقف کار معلوم ہوتا ہے، اور مضامین اچھے لکھتا ہے، ہر مہینہ احادیث نبویؐ

کے متعلق کچھ نہ کچھ اس میں ضرور ہوتا ہے، گذشتہ ماہ کے پرچہ میں وہ لکھتے ہیں کہ حدیث ''خلیلی فی ہذہ الامتہ اویس القرنی'' موضوع ہے، اور امام مالکؒ کے نزدیک اویس کا کوئی تاریخی وجود ہی نہیں ہے، آپ حضرت اویس اور ان کے تمام صوفیانہ روایات کے متعلق جو ان سے منسوب ہیں کیا خیال رکھتے ہیں؟ اگر حضرت امام مالکؒ کی تحقیق زیر نظر[۱] ہو تو از راہ عنایت حوالہ سے آگاہ فرمایئے گا۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

محمد اقبال

---

[۱] اصابۃ ابن حجر میں ہے قال ابن عدی لیس لہ روایۃ لکن کان ینکر وجودہ اس کو نقل کر کے حافظ ابن حجر نے ان کے وجود کی اثباتی روایتیں لکھی ہیں۔

---

[۳۱]

لاہور

یکم فروری ۱۹۲۴ء

مخدومی ! السلام علیکم

نوازش نامہ معلومات سے لبریز ہے، نہایت شکر گذار ہوں۔

میں نے چند نظمیں فارسی میں لکھی تھیں، جو پیامِ مشرق کے دوسرے ایڈیشن میں شامل کر دی گئیں، ان ہی نظموں میں سے ایک آپ کی خدمت میں ارسال کی گئی، ایک جامعہ ملیہ علی گڑھ کے لئے اور ایک علی گڑھ منتھلی کے لئے بھیجی گئی اور کسی جگہ کوئی نظم میں نے نہیں بھیجی، معارف مجھے خاص طور پر محبوب ہے اور بالخصوص آپ کے مضامین کے لئے کہ آپ کی نثر معانی سے معمور ہونے کے علاوہ لٹریری خوبیوں سے بھی مالا مال ہوتی ہے۔

مولانا گرامی کی غزل میں سن چکا ہوں، اس کا ایک شعر مجھے خاص طور پر پسند آیا ؎

فقر را تر کمانیے ہم ہست

اس شعر پر میں نے تضمین بھی کی تھی، مگر پیام مشرق میں اس واسطے داخل نہ کی کہ اس کے اشعار کی بندش کچھ بھی پسند نہ آئی، اگر آپ کو پسند ہو تو مجھے اشاعت میں کوئی عذر نہیں، عرض کرتا ہوں۔

سخنے راندۂ کہ جز قرشی   بہ سر سند نبی نہ نشست

درس گیر از گرامی ہمہ درد   کہ برید از خود و باد پیوست

رمز ترک خلافت عربی   گفت آں می گسار بزم الست

ماہ را بر فلک دو نیم کند   فقر را تر کمانیے ہم ہست

لفظ نشانی کلاسیکل فارسی میں تو آتا ہے، جدید فارسی کا حال مجھے معلوم نہیں، بہار عجم ملاحظہ فرمایئے۔

مسلمانوں نے منطق استقرائی پر جو کچھ لکھا ہے اور جو جو اضافے انہوں نے یونانیوں کی منطق پر کئے ہیں، اس کے متعلق میں کچھ تحقیق کر رہا ہوں۔

میں آپ کا نہایت شکر گذار ہوں گا، اگر آپ ازراہِ عنایت اپنی وسیع معلومات سے مجھے مستفیض فرمائیں، کم از کم ان کتابوں کے نام تحریر فرمایئے جن کو پڑھنا ضروری ہے، جرمن زبان میں کچھ مسالہ اس کے لئے ہے اور چند کتابیں اسلامی حکماء پر حال ہی شایع ہوئی ہیں، جو میں نے پنجاب یونیورسٹی کے لئے خرید لی تھیں، عربی و فارسی کتب سے آپ آگاہ فرمائیں مگر کتابیں ایسی ہوں جو دستیاب ہو سکتی ہوں، ان کے ناموں پر نشان کر دیجئے، قیاس پر اعتراض غالباً سب سے پہلے [ا] امام رازی نے کیا تھا، امام غزالی، ابن تیمیہ اور شاید شیخ سہروردی مقتول نے بھی اس مضمون پر لکھا ہے، موخرالذکر کی تحقیق زمانہ حال کے خیالات کے بہت قریب ہے۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

---

(۱) سب سے پہلے ابوالبرکات بغدادی نے کیا ہے جن کی کتاب المقر حیدرآباد سے چھپ کر شایع ہوچکی ہے۔

---

[۳۲]

لاہور

یکم مئی ۱۹۲۴ء

مخدومی ! السلام علیکم

کیا روسی مسلمانوں میں بھی ابن تیمیہؒ اور محمد بن عبدالوہابؒ نجدی کے حالات کی اشاعت ہوئی تھی، اس کے متعلق آگاہی کی ضرورت ہے، مفتی عالم جان جن کا حال میں انتقال ہوگیا ہے، ان کی تحریک کی اصل غایت کیا تھی، کیا یہ محض تعلیمی تحریک تھی یا اس کا مقصود ایک مذہبی انقلاب بھی تھا۔

تکلیف دہی کے لئے معافی چاہتا ہوں اور یہ بھی التماس کرتا ہوں کہ اس عریضہ کا جواب جہاں تک ممکن ہو جلد دیا جائے۔ والسلام

مخلص محمد اقبال بیرسٹر

---

[۳۳]

لاہور

۱۸/اگست ۱۹۲۴ء

مخدومی ! السلام علیکم

حال میں امریکہ کی مشہور یونیورسٹی (کولمبیا) نے ایک کتاب شایع کی ہے، جس کا نام ہے ''مسلمانوں کے نظریات متعلقہ مالیات'' اس کتاب میں لکھا ہے کہ اجماع امت نص قرآنی کو منسوخ کرسکتا ہے، یعنی یہ کہ مثلاً مدت شیخ خوارگی جو نص صریح کی رو سے دو سال ہے، کم یا

زیادہ ہوسکتی ہے، یا حصص شرعی میراث میں کمی بیشی کر سکتا ہے، مصنف نے لکھا ہے کہ بعض حنفا اور معتزلیوں کے نزدیک اجماع امت یہ اختیار رکھتا ہے، مگر اس نے کوئی حوالہ نہیں دیا، آپ سے یہ امر دریافت طلب ہے کہ آیا مسلمانوں کے فقہی لٹریچر میں ایسا کوئی حوالہ [۱] موجود ہے؟

اور دیگر یہ ہے کہ آپ کی ذاتی رائے اس بارے میں کیا ہے؟ میں نے مولوی ابوالکلام صاحب کی خدمت میں بھی عریضہ لکھا ہے، میں آپ کا بڑا ممنون ہوں گا اگر جواب جلد دیا جائے

آپ کا مخلص

محمد اقبال بیرسٹر

۴۳ر میکلوڈ روڈ، لاہور

---

[۱] اجماع سے نص قرآنی کے منسوخ ہونے کا کوئی قائل نہیں، امریکی مصنف نے غلط لکھا ہے، آمدی ''الاحکام'' میں لکھتے ہیں: **مذهب الجمهور ان الا جماع لا ینسخ به خلافاً لبعض المعتزلة**، ج ۳ ص ۲۲۹، بعض معتزلہ ایسا کہتے تھے، مگر ان کی رائے مقبول نہیں ہوسکی، آمدی نے حصہ شرعی کے ایک خاص مسئلہ کے باب میں ایک حوالہ نقل کیا ہے، پھر اس کا جواب دیا ہے، اس سے امریکی مصنف کا استدلال غلط محض ہے۔

---

[۳۵]

لاہور

۱۹ر اگست ۱۹۲۴ء

مخدومی ! السلام علیکم

میں نے کل ایک عریضہ ارسال خدمت کیا تھا۔

تخصیص و تعمیم احکام کا جہاں تک تعلق ہے، اس خط کے جواب کی زحمت نہ گوارا

فرمایئے، کیوں کہ قاضی شوکانی کی ارشادالفحول سے اس کا حال مجھے معلوم ہوگیا ہے، البتہ باقی حصہ خط کا جواب ضرور عنایت فرمایئے، علامہ آمدی کی کتاب جہاں تک مجھے معلوم ہے یہاں نہیں ہے، انشاءاللہ سرما میں یونیورسٹی کے لئے ایک کاپی منگوانے کی کوشش کروں گا، پنجاب میں ایک صاحب نے حال میں قرآن کی تفسیر شایع کی ہے، جس کا نام تذکرہ[۲] ہے، کیا آپ کی نظر سے گذری ہے؟ کتاب اس قابل ہے کہ اس کا ریویو مفصل آپ کے قلم سے نکلے، امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال لاہور

---

[۳۶]

لاہور

۲۷ر اگست ۱۹۲۴ء

مخدوم محترم ! السلام علیکم

نوازش نامہ ابھی ملا ہے، جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔

۱۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ فقہاء نے اجماع سے نص کی تخصیص جائز سمجھی ہے، ایسی تخصیص یا تعمیم کی مثال اگر کوئی ہو تو اس سے آگاہ فرمایئے۔

اس کے علاوہ یہ بھی معلوم کرنا ضروری ہے کہ ایسی تخصیص یا تعمیم صرف اجماع صحابہ ہی کر سکتا ہے یا علماء و مجتہدین امت بھی کر سکتے ہیں، اگر مسلمانوں کی تاریخ میں صحابہؓ کے بعد کوئی ایسی مثال ہو تو اس سے بھی آگاہ فرمایئے، یعنی یہ کہ کس مسئلہ میں صحابہؓ نے یا علمائے امت نے نص کے حکم کی تخصیص یا تعمیم کر دی، میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ تخصیص یا تعمیم حکم سے آپ کی کیا مراد ہے۔

۲۔ دیگر آپ کا ارشاد ہے کہ اگر صحابہؓ کا کوئی حکم نص کے خلاف ہے تو اس کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ کوئی ناسخ حکم ان کے علم میں ہوگا جو ہم تک روایۃً نہیں پہنچا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کوئی حکم ایسا بھی ہے جو صحابہؓ نے نص قرآنی کے خلاف نافذ کیا ہو اور وہ کون سا حکم [۱] ہے؟

یہ بات کہ کوئی ناسخ حکم ان کے علم میں ہوگا محض حسن ظن پر مبنی ہے، یا آج کل کی قانونی اصطلاح میں ''لیگل فکشن'' ہے۔ علامہ آمدی کے قول سے تو بظاہر امریکن مصنف کی تائید ہوتی ہے، گو صرف اس حد تک کہ اجماع صحابہؓ نص قرآنی کے خلاف کر سکتا تھا، بعد کے علماء ایسا نہیں کر سکتے، کیوں کہ ان کے علم میں کوئی ناسخ حکم نہیں ہو سکتا۔

۳۔ اگر صحابہؓ کے اجماع نے کوئی حکم نص قرآنی کے خلاف نافذ کیا تو علامہ آمدی کے خیال کے مطابق ایسا کسی ناسخ حکم کی بنا پر ہوا ہے، وہ ناسخ حکم سوائے حدیث نبویؐ کے اور کچھ نہیں ہو سکتا، اس سے معلوم ہوا کہ حدیث ناسخ قرآن ہو سکتی ہے، جس سے کم از کم مجھے تو انکار ہے اور غالباً آپ کو بھی ہوگا، مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو دوبارہ زحمت دینے پر مجبور ہوا، لیکن آپ کے وسیع اخلاق پر بھروسہ کر کے یہ جرأت کی ہے۔

جو کتاب امریکہ میں چھپی ہے اس کا نشان مندرجہ ذیل ہے:

Mohammadan Theories of Finance by Nicolas P.Aghnides

یہ کتاب کولمبیا یونیورسٹی نے شایع کی ہے، قیمت غالباً دس بارہ سے زیادہ نہ ہوگی، اگر آپ اسے منگوانا چاہیں تو کسی تاجر کتب امریکائی کے ذریعہ سے منگوا سکتے ہیں، تھیکر اسپنک یا میکمین کلکتہ بھی منگوا کر دے سکتا ہے، ان کو مفصل پتہ لکھ بھیجئے یا براہ راست سکریٹری کولمبیا یونیورسٹی شہر نیو یارک [امریکہ] سے خط و کتابت کیجئے۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا اور خط کا جواب جلد ملے گا۔

مخلص محمد اقبال بیرسٹر

میکلوڈ روڈ، لاہور

---

[۱] ایسا کوئی حکم نہیں، اور نہ نص قرآن کے خلاف کوئی حکم صحابہؓ نے دیا ہے۔

[۳۷]

لاہور

۵/دسمبر ۱۹۲۴ء

مخدومی ! السلام علیکم

والا نامہ ابھی ملا ہے، جس کے مضمون سے بہت تسکین ہوئی۔

انجمن حمایت اسلام کا صدر مجھے منتخب کیا گیا تھا، مگر میں نے بعض وجوہ سے استعفا دے دیا ہے۔ کونسل میں اختلاف ہے اور عام حالت اس انجمن کی اچھی نہیں ہے، بعض ارکان ذاتی اغراض سے اس میں داخل ہیں اور ان کے نزدیک انجمن ان اغراض کے حصول کا ذریعہ ہے اور بس، اس وقت وہی جماعت جلسہ کی تیاریاں کر رہی ہے، مگر آپ ضرور تشریف لائیے، یہاں کے لوگوں کو ختم نبوت کے مسئلہ پر بڑی دلچسپی ہے اور آپ کی تقریر انشاء اللہ بے حد توجہ سے سنی جائے گی اس کے علاوہ میں ایک مدت سے آپ کی ملاقات کا اشتیاق رکھتا ہوں، میرے ہی غریب خانہ پر ٹھہریئے، یہاں سے انجمن کا جلسہ گاہ کچھ دور نہیں، موٹر پر چھ منٹوں کی راہ ہے۔

جناب مشرقی[۱] امرتسر کے رہنے والے ہیں، نوجوان آدمی ہیں، کیمبرج میں ریاضی کا اعلی امتحان پاس کیا، ہندوستان واپس آئے تو کچھ مدت کے لئے پشاور کالج کے پرنسپل رہے، اس کے بعد گورنمنٹ آف انڈیا کے محکمہ تعلیم میں رہے، آج کل غالبًا کسی سرکاری اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں، مجھے ان کی قابلیت کا حال زیادہ معلوم نہیں، مگر اس کتاب کے ریویو سے جو کچھ معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ مغربی افکار پر بھی ان کی نظر نہایت سطحی ہے۔ باقی تفسیر قرآن و تاریخ اسلام کے متعلق آپ مجھ سے بہتر اندازہ کر سکتے ہیں۔ ان کی کتاب کے متعلق یہاں عجیب و غریب افواہیں ہیں، زبانی عرض کروں گا۔ زمیندار میں تذکرہ پر ایک ریویو مفصل شایع ہوا ہے، جو مصنف نے محنت و کاوش سے لکھا ہے مگر سید سلیمان ندوی کی اسٹائل اور وسعت نظر اس کو

حاصل نہیں، مجھے تذکرہ کا علم اسی ریویو سے ہوا۔

جناب مشرقی جہاں تک مجھے معلوم ہے خود مدعی نہیں ہیں، امت مسلمہ سے ممکن ہے ان کا تعلق ہو کیوں کہ آج کل امت مسلمہ کا سینٹر امرتسر ہے، بہائی فرقہ سے بھی جہاں تک مجھے معلوم ہے ان کا تعلق نہیں، مختصر یہ کہ یوروپین افکار کی تاریخ کا اعادہ آج کل دنیائے اسلام میں ہو رہا ہے، ان حالات میں جو اس وقت کیفیت آپ کے قلب کی ہے، وہ ایک حد تک نیچرل امر ہے مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ جو کام کر رہے ہیں وہ امت مسلمہ کے لئے از بس مفید ہے۔ دنیائے اسلام اس وقت ایک روحانی پیکار میں مصروف ہے۔ اس پیکار وانقلاب کا رخ متعین کرنے والے قلوب واذہان پر شک وناامیدی کی حالت کبھی کبھی پیدا ہو جاتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا قلب قوی ہے اور ذہن ہمہ گیر، آپ اس حالت سے جلد نکل جائیں گے یا صوفیاء کی اصطلاح میں یوں کہئے کہ اس مقام کو جلد طے کر لیں گے۔ آپ قلندر ہیں، مگر وہ قلندر جس کی نسبت اقبال نے یہ کہا ہے ۔

قلندراں کہ براہِ تو سخت می کوشند	ز شاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند
بجلوت اند وکمندے بہ مہر و مہ پیچند	بخلوت اند وزمان ومکاں در آغوش اند
دریں جہاں کہ جمالِ تو جلوہا دارد	زفرق تا بہ قدم دیدہ و دل و گوش اند
بروز بزم سراپا چو ہرنیاں و حریر	بروز رزم خود آگاہ وتن فراموش اند

آپ اس جماعت کے پیش خیمہ ہیں، اس جماعت کا دنیا میں عنقریب پیدا ہونا قطعی اور یقینی ہے، باقی جس راہ پر آپ اس سے پہلے قدم زن [۲] تھے، اس کے متعلق انشاء اللہ بوقت ملاقات گفتگو ہوگی۔ ہندوستانی نیشنلزم کی انتہا یہی تھی جو آپ کے مشاہدہ میں آ گئی۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا، یہ خط بستر پر لیٹے لیٹے لکھا ہے، آج طبیعت بہت مضمحل ہے، بدخطی معاف فرمایئے گا۔

مخلص

محمد اقبال

[۱] جناب عنایت اللہ مشرقی

[۲] اشارہ کانگریس کی طرف ہے۔

---

[۳۸]

لاہور

۱۶/اکتوبر ۱۹۲۴ء

مخدومی ! السلام علیکم

آپ نے کسی گذشتہ خط میں مجھے لکھا تھا کہ حضور سرور کائناتؐ سے جب کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو آپؐ بعض دفعہ وحی کا انتظار فرماتے، اگر وحی نازل ہوتی تو اس کے مطابق مسائل کا جواب دیتے اور اگر وحی کا نزول نہ ہوتا تو قرآن شریف کی کسی آیت سے استدلال فرماتے اور جواب کے ساتھ وہ آیت بھی پڑھ دیتے، اس کا حوالہ کون سی کتاب میں ملے گا، کیا یہ قاضی شوکانی کی کتاب ارشادالفحول[۱] سے آپ نے لیا ہے؟

دوسرا امر جو اس کے متعلق دریافت طلب ہے، یہ ہے کہ جو جواب وحی کی بنا پر دیا گیا، وہ تمام امت پر حجت ہے، (اور وہ وحی بھی قرآن شریف میں داخل ہوگئی) لیکن جو جواب محض استدلال کی بنا پر دیا گیا، جس میں وحی کو دخل نہیں، کیا وہ بھی تمام امت پر حجت ہے؟[۲] اگر جواب اثبات میں ہو تو اس سے لازم آئے گا کہ حضورؐ کے تمام استدلالات بھی وحی میں داخل ہیں، [۳] یا بالفاظ دیگر یہ کہ قرآن و حدیث میں کوئی فرق نہیں ہے (۴) جواب سے مطلع فرما کر ممنون فرمایئے۔

محمد اقبال

---

[۱] اس کا ذکر کتب احادیث میں ہے۔

[۲] بے شبہہ

[۳]وحی خفی میں داخل ہیں۔

[۴] جی نہیں! دونوں میں بہت فرق ہے، قرآن پاک بالفاظ وحی ہے اور بہ تواتر منقول ہے، اور یہ حدیثیں وحی سے معناً ماخوذ ہیں اور بتواتر منقول نہیں۔

---

[۳۹]

لاہور

۱۸/مارچ ۱۹۲۶ء

مخدومی ! السلام علیکم

اس وقت سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ فقہ اسلامی کی ایک مفصل تاریخ لکھی جائے، اس مبحث پر مصر میں ایک چھوٹی سی کتاب شائع ہوئی تھی جو میری نظر سے گذری ہے، مگر افسوس ہے کہ بہت مختصر ہے، اور جن مسائل پر بحث کی ضرورت ہے، مصنف نے ان کو نظر انداز کر دیا ہے، اگر مولانا شبلیؒ زندہ ہوتے تو میں ان سے ایسی کتاب لکھنے کی درخواست کرتا، موجودہ صورت میں سوائے آپ کے اس کام کو کون کرے گا، میں نے ایک رسالہ اجتہاد پر لکھا تھا، مگر چوں کہ میرا دل بعض امور کے متعلق خود مطمئن نہیں، اس واسطے اس کو اب تک شایع نہیں کیا، آپ کو یاد ہوگا میں نے آپ سے بھی کئی امور کے متعلق استفسار کیا تھا، مسلمانوں پر اس وقت [دماغی اعتبار سے] وہی زمانہ آرہا ہے جس کی ابتداء یورپ کی تاریخ میں لوتھر کے عہد سے ہوئی، مگر چوں کہ اسلامی تحریک کی کوئی خاص شخصیت راہ نما نہیں ہے، اس واسطے اس تحریک کا مستقبل خطرات سے خالی نہیں، نہ عامۃ المسلمین کو یہ معلوم ہے کہ اصلاح لوتھر نے مسیحیت کے لئے کیا کیا نتائج پیدا کئے، ہندوستان کی جمعیۃ العلماء کی توجہ اس طرف ضروری ہے، آپ چوں کہ اس جمعیۃ کے صدر ہیں، اس واسطے آپ سے درخواست ہے کہ اس کام کو مستقل طور پر اپنے ہاتھ میں لیجئے، ندوہ کے دیگر ارکان یا فارغ التحصیل طلبہ کو بھی اپنے ساتھ ملایئے، تا کہ اقوامِ اسلامیہ کو فقہ اسلامی کی اصل حقیقت معلوم ہو، میں نے سنا ہے کہ البانیہ کے مسلمانوں نے وضو

[۱]اڑادیااور ممکن ہے نماز میں بھی کوئی ترمیم کی ہو،ٹرکی کا حال تو آپ کو معلوم [۲] ہی ہے، مصر میں بھی یہ تحریک جاری ہے [۳] اور عنقریب ایران اور افغانستان میں بھی اس کا ظہور ہوگا ، ایران کو بابیت سے اندیشہ ہے ، مجھے اندیشہ ہے کہ اسماعیلی تحریک کہیں پھر زندہ نہ ہو جائے ، ایک قدیم اسلامی اصطلاح ہے **صوت الحیؔ**، شاید اس کا مفہوم قبیلہ کی آواز ہے، کیوں کہ اس وقت دنیائے اسلام میں کوئی مذہبی شخصیت نہیں جو طبائع کے اس انقلاب کو ٹھیک رستہ پر لگائے ، غرض کہ اس وقت مذہبی اعتبار سے دنیائے اسلام کو رہنمائی کی سخت ضرورت ہے ، اور میرا یہ عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے بعض علماء اس کام کو باحسن وجوہ انجام دے سکتے ہیں ، سیاسی اعتبار سے تو ہم باقی اقوام اسلامیہ کو کوئی ایسی مدد نہیں دے سکتے ہیں ، ہاں دماغی اعتبار سے ان کے لئے بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔

دیگر امر دریافت طلب یہ ہے کہ آیۂ توریث میں حصص بھی ازلی ابدی [۴] ہیں ، یا قاعدہ توریث میں جو اصول مضمر ہے، صرف وہی ناقابل تبدیلی ہے اور حصص میں حالات کے مطابق تبدیلی ہو سکتی ہے [۵] ، آیۂ وصیت پر بھی جو ارشادات ہیں میری سمجھ میں نہیں آئے ، اس زحمت کے لئے معافی چاہتا ہوں ، جب فرصت ملے حرسات سے بھی آگاہ فرمایئے ، اس احسان کے لئے ہمیشہ شکر گذار رہوں گا ، بعض خیالات زمانۂ حال کے فلسفیانہ نقطۂ نظر کا نتیجہ ہیں ، ان کے ادا کرنے کے لئے قدیم فارسی اسلوب بیان سے مدد نہیں ملتی ، بعض تاثرات کے اظہار کے لئے الفاظ ہاتھ نہیں آتے ، اس واسطے مجبوراً ترکیب اختراع کرنی پڑی ہے ، جو ضرور ہے کہ اہل زبان کو ناگوار ہو کہ دل و دماغ اس سے مانوس نہیں ہیں ، بعض اشعار کے لکھنے میں تو مجھے اس قدر روحانی تکلیف ہوئی کہ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتی ، تاہم اللہ تعالیٰ کا شکر ہے ، کاش چندروز کے لئے آپ سے ملاقات ہوتی اور آپ کی صحبت سے مستفید ہونے کا موقع ملتا۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

محمد اقبال

---

[۱] یہ خبر غلط تھی۔
[۲] ٹرکی میں نماز میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔
[۳] یہ خبر بھی بے اصل ہے۔
[۴] بے شک۔
[۵] کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

---

[۴۰]

لاہور

۷/اپریل ۱۹۲۶ء

مخدومی ! السلام علیکم

آپ کے بعض خطوط میرے پاس محفوظ ہیں اور یہ آخری خط بھی جو نہایت معنی خیز ہے اور جس کے مضمون سے مجھے بہ حیثیت مجموعی پورا اتفاق ہے، محفوظ رہے گا، عبادات کے متعلق کوئی ترمیم و تنسیخ میرے پیش نظر نہیں ہے، بلکہ میں نے اپنے مضمون اجتہاد میں ان کی ازلیت و ابدیت پر دلائل قائم کرنے کی کوشش کی ہے، ہاں معاملات کے متعلق بعض سوالات دل میں پیدا ہوتے ہیں، اس ضمن میں چوں کہ شرعیت احادیث [یعنی وہ احادیث جن کا تعلق معاملات سے ہے] کا مشکل سوال پیدا ہو جاتا ہے اور ابھی تک میرا دل اپنی تحقیقات سے مطمئن نہیں ہوا، اس واسطے وہ مضمون شایع نہیں کیا گیا، میرا مقصود یہ ہے کہ زمانۂ حال کے جورس پروڈنس کی روشنی میں اسلامی معاملات کا مطالعہ کیا جائے، مگر غلامانہ انداز میں نہیں بلکہ ناقدانہ انداز میں، اس سے پہلے مسلمانوں نے عقائد کے متعلق ایسا ہی کیا ہے، یونان کا فلسفہ ایک زمانہ میں انسانی علوم کی انتہا تصور کیا گیا، مگر جب مسلمانوں میں تنقید کا مادہ پیدا ہوا تو انہوں نے اسی فلسفہ کے ہتھیاروں سے اس کا مقابلہ کیا، اس عصر میں معاملات کے متعلق بھی ایسا ہی کرنا ضروری ہے، قاعدہ میراث کے حصص کے متعلق میں نے مضمون اجتہاد میں یہی طریق اختیار کیا ہے، اور یہ

ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ لڑکی کو لڑکے سے آدھا حصہ ملنا عین انصاف ہے۔مساوی حصہ ملنے سے انصاف قائم نہیں رہتا ہے، بحث کا محرک ترکی شاعر ضیاء بک کی بعض تحریریں تھیں، جن میں وہ اسلامی طلاق اور میراث کا ذکر کرتا ہے، میں نے جو حصص کے متعلق آپ سے دریافت کیا تھا اس کا مقصد یہ نہ تھا کہ ان حصص میں ترمیم چاہتا ہوں، بلکہ خیال یہ تھا کہ شاید ان حصص کی ازلیت وابدیت پر آپ کوئی روشنی ڈالیں گے، میرے نزدیک اقوام کی زندگی میں قدیم ایک ایسا ہی ضروری عنصر ہے جیسا کہ جدید بلکہ میرا ذاتی میلان قدیم کی طرف ہے، مگر میں دیکھتا ہوں کہ اسلامی ممالک میں عوام اور تعلیم یافتہ لوگ دونوں طبقے علوم اسلامیہ سے بے خبر ہیں، اس بے خبری سے آپ کی اصطلاح میں یورپ کے ''معنوی استیلاء'' کا اندیشہ ہے، جس کا سدباب ضروری ہے، میرا ایک مدت سے یہ عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان جو سیاسی اعتبار سے ان کی بہت کچھ مدد کر سکتے ہیں، کیا عجب ہے کہ اسلامی ہند کی آیندہ نسلوں کی نگاہوں میں ندوہ علی گڑھ سے زیادہ کارآمد ثابت ہو، آپ کے خط کے آخری حصہ سے ایک اور سوال میرے دل میں پیدا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ قرآن کو کسی مقرر کردہ حد [مثلاً سرقہ کی حد] کو ترک کردے [۱] اور اس کی جگہ کوئی اور حد مقرر کردے، اور اس اختیار کی بنا کون سی آیت قرآنی ہے؟ حضرت عمرؓ نے طلاق کے متعلق جو مجلس [۲] قائم کی ہے اس کا اختیار ان کو شرعاً حاصل تھا [۳] میں اس اختیار کی اساس معلوم کرنا چاہتا ہوں، زمانۂ حال کی زبان سے یوں کہئے کہ آیا اسلامی کانسٹی ٹیوشن ان کو ایسا اختیار دیتی تھی، امام ایک شخص واحد ہے، یا جماعت بھی امام کے قائم مقام ہوسکتی ہے، ہر اسلامی ملک کے لئے اپنا امام ہو یا تمام اسلامی دنیا کے لئے ایک واحد امام ہو، موخرالذکر صورت موجودہ فرق اسلامیہ کی موجودگی میں کیوں کر بروئے کار آسکتی ہے؟ مہربانی کر کے ان سوالات پر روشنی ڈالئے، لقب امام سے بہت سی مشکلات کا خاتمہ ہوجاتا ہے، بشرطیکہ اس کو وہ اختیارات شرعاً حاصل ہوں جن کا اشارہ آپ نے کیا ہے۔[۴]

ترجمہ جو آپ نے ارسال کیا ہے، افسوس ہے کہ وہ معارف کے قابل نہیں ہے، میں نے یہ مضمون ان طلبہ کے لئے لکھا تھا جو اضافیت سے کسی قدر آشنا تھے، اس واسطے مختصر لکھا،

مفصل لکھنے کے لئے نہ وقت تھا، نہ ضرورت، غالبًا ایسے ریڈر کو اس سے کچھ فائدہ نہ پہنچے گا جو فلسفہ کے بعض مسائل اور نظریۂ اضافیت سے آشنا نہیں ہے، بہرحال میں نے ایک صاحب سے کہا ہے کہ وہ اس کا اردو ترجمہ معارف کے لئے کریں، وہ ترجمہ کریں گے، پھر میں اسے دیکھ کر آپ کی خدمت میں ارسال کروں گا، جامعہ کا ترجمہ میری نظر سے نہیں گذرا، قادیانیوں نے بھی ایک ترجمہ اس مضمون کا کیا تھا، مگر وہ بھی غلط تھا، امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ خدا تعالیٰ آپ کو اطمینان عطا فرمائے کہ آپ کا اطمینان اور خانگی پریشانیوں سے آزادی ہم سب کے لئے از بس ضروری ہے۔

مخلص

محمد اقبال لاہور

---

[۱] ترک کردے کا لفظ صحیح نہیں، ملتوی کردے صحیح ہے، جیسے میدان جنگ میں جب اسلامی فوج دارالحرب میں یا دارالحرب سے قریب ہو، حدود بمصالح ملتوی کردیے جاتے ہیں۔

[۲] میری عبارت کے سمجھنے میں یا اقبال نے خود اپنے مطلب کی تعبیر میں غلطی کی ہے، حضرت عمرؓ سے پہلے ایک مجلس یعنی ایک ہی نشست میں تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جاتا تھا، حضرت عمرؓ نے اس کو تین قرار دیا، بات یہ تھی۔

[۳] حنفیہ کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ کو آنحضرت ﷺ کا کوئی حکم معلوم ہوتا جس کی اشاعت عہد اول میں نہیں ہوسکی تھی اور حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں کی، حافظ ابن قیم کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے تعزیراً ایسا کیا تھا، اور امام کو تعزیراً ایسا کرنے کا اختیار ہے۔

[۴] میں نے ان کو لکھا تھا کہ مسائل فقہ میں ترجیح اور بعض میں التواء یا اجرائے تعزیر مفتیوں کا نہیں بلکہ امام کا حق ہے۔

لاہور

۲۴؍اپریل ۱۹۲۶ء

مخدومی ! السلام علیکم

آپ اپنے نوازش نامہ کی طوالت کے لئے عذر خواہی کرتے ہیں مگر میرے لئے یہ طویل خط باعث خیر و برکت ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، میں نے اسے کئی دفعہ پڑھا ہے، اور گذشتہ رات چودھری غلام رسول مہر سے بھی پڑھوا کر سنا، اور احباب بھی اس مجلس میں شریک تھے، اگر میری نظر اس قدر وسیع ہوتی جس قدر آپ کی ہے تو مجھے یقین ہے کہ میں اسلام کی کچھ خدمت کر سکتا، فی الحال انشاءاللہ آپ کی مدد سے کچھ نہ کچھ لکھوں گا۔

مضمون اجتہاد کی تکمیل کے بعد حافظ ابن قیم کی کتاب طرق الحکمیہ پر اور اس کے بعد المقابلات پر جس کا ذکر آپ نے اپنے خط میں کیا ہے، لکھنے کا ارادہ ہے، شرعیت احادیث کے متعلق جو کھٹک میرے دل میں ہے، [۱] اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ احادیث سرے سے بیکار ہیں، ان میں ایسے بیش بہا اصول ہیں کہ سوسائٹی باوجود اپنے ترقی و تعلیٰ کے اب تک ان کی بلندیوں تک نہیں پہنچی، مثلاً ملکیت شاملات دہ کے متعلق المرعی للہ ورسولہ [بخاری] اس حدیث کا ذکر میں نے مضمون اجتہاد میں بھی کیا ہے، بہر حال چند امور اور دریافت طلب ہیں، اگر چہ آپ اس وقت سفر حجاز کی تیاریوں میں مصروف ہوں گے تاہم مجھے یقین ہے کہ آپ از راہِ عنایت میرے سوالات پر کسی قدر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔ [۲]

۱۔ آپ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ کی دو حیثیتیں ہیں، نبوت اور امامت، نبوت میں احکام قرآنی اور آیات قرآنی سے حضور کے استنباط داخل ہیں، اجتہاد کی بنا محض عقل بشری اور تجربہ و مشاہدہ ہے، یا یہ بھی وحی میں داخل ہے، اگر وحی میں داخل ہے تو اس پر آپ کیا دلیل قائم کرتے ہیں [۳] میں خود اس کے لئے دلیل رکھتا ہوں، مگر میں اس پر اعتماد نہیں کرتا، اور آپ کا خیال معلوم کرنا چاہتا ہوں، وحی غیر متلو کی تعریف نفسیاتی اعتبار سے کیا ہے، کیا وحی متلو اور غیر متلو کے امتیاز کا پتہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں چلتا ہے، یا یہ اصطلاحات بعد میں وضع کی گئیں؟

(۴)

۲۔حضور ﷺ نے اذان کے متعلق صحابہؓ سے مشورہ کیا، کیا یہ مشورہ نبوت کے تحت میں آئے گا، یا امامت کے تحت میں۔[۵]

۳۔فقہاء کے نزدیک خاوند کو جو حق اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ہے وہ بیوی کو یا اس کے کسی خویش یا کسی اور آدمی کے حوالے کیا جاسکتا ہے، اس مسئلہ کی بنا کوئی آیت قرآنی ہے یا حدیث،[٦]

۴۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک طلاق یا خاوند کی موت کے دوسال بعد بھی اگر بچہ پیدا ہوتو قیاس اس بچے کے ولدالحرام ہونے پر نہیں کیا جاسکتا، اس مسئلہ کی اساس[۷] کیا ہے، کیا یہ اصول محض ایک قاعدۂ شہادت ہے، یا جزو قانون ہے، اس سوال کے پوچھنے کی وجہ یہ ہے کہ مروجہ ایکٹ شہادت کی رو سے تمام وہ قواعد شہادت جو اس ایکٹ کے نفاذ سے پہلے ملک میں مروج تھے، منسوخ کئے گئے، ہندوستان کی عدالتوں نے مذکورۂ بالا اصول کو قاعدۂ شہادت قرار دے کر منسوخ کردیا، نتیجہ اس کا بعض مقامات میں یہ ہوتا ہے کہ ایک مسلمان بچہ جو فقہ اسلامی کی رو سے ولدالحرام قرار دیا جاتا ہے، ایکٹ شہادت میں اور بھی باتیں ہیں، جن کا ذکر اس مضمون میں کرنے کا ارادہ ہے جو حافظ ابن قیمؒ کے فلسفۂ شہادت پر لکھوں گا۔

امید کہ آپ اس تکلیف دہی کے لئے مجھے معاف فرمائیں گے، میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میرے دل میں ممالک اسلامیہ کے موجودہ حالات دیکھ کر بے انتہا اضطراب پیدا ہورہا ہے، ذاتی لحاظ سے خدا کے فضل وکرم سے میرا دل پورا مطمئن ہے، یہ بے چینی اور اضطراب محض اس وجہ سے ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ نسل گھبرا کر کوئی اور راہ اختیار نہ کرلے۔ حال ہی میں ایک تعلیم یافتہ عرب سے ملنے کا اتفاق ہوا، فرانسیسی خوب بولتا تھا مگر اسلام سے قطعاً بے خبر تھا، اس قسم کے واقعات مشاہدہ میں آتے ہیں تو سخت تکلیف ہوتی ہے، امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

محمد اقبال

---

[۱] میں نے ان کو اس کا تسلی بخش جواب لکھ کر بھیجا تھا۔

[۲] ان تمام امور کے جواب سیرۃ النبیؐ جلد چہارم کے مقدمہ میں مذکور ہیں، مختصراً جواب یہاں بھی حوالہ قلم ہیں۔

[۳] اجتہاد نبویؐ کی بنیاد عقل بشری اور تجربہ ومشاہدہ پر نہیں، بلکہ عقل نبویؐ کا نتیجہ ہے، جو عقل بشری سے مافوق ہے اور جس میں عقل بشری و تجربہ ومشاہدہ کو دخل نہیں، اور نبی کی ہر غلطی کی اصلاح کا اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہے، پس اجتہاد نبیؐ کے نتائج بھی اگر غلط ہوتے تو اللہ تعالیٰ اصلاح فرماتا، جیسا کہ چار پانچ مقام پر اصلاح فرمادیا ہے، پس جب بقیہ اجتہادات نبویؐ کی اصلاح نہیں فرمائی تو تقدیراً اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحیح قرار دیئے گئے اور اس لئے وہ واجب القبول ہیں۔

[۴] اصطلاح بعد میں پیدا ہوتی ہے۔

[۵] آنحضرت ﷺ کو بعض روایات کے رو سے خود بھی اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ کی تعلیم دی تھی اور دوسرے صحابہؓ نے بھی خواب میں دیکھا تھا، البتہ اس باب میں صحابہؓ سے مشورہ کرنا باب امامت سے تھا، نہ کہ نبوت سے کہ احکام نبوت میں مشورہ نہیں۔

[۶] تصریح تو احادیث میں ہے، مگر قرآن پاک سے استنباط ممکن ہے۔

[۷] اس کی اساس ایک تو حضرت عائشہؓ کا قول ہے جو دارقطنی میں ہے، دوسرے طبی تجربہ ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک اکثر مدت حمل چار برس ہے۔[ہدایہ]

---

[۴۲]

لاہور

۷/مارچ ۱۹۲۸ء

مخدومی ! السلام علیکم

شمس بازغہ یا صدرا میں جہاں زمان کی حقیقت کے متعلق بہت سے اقوال نقل کئے ہیں، ان میں ایک قول یہ ہے کہ ''زمان خدا ہے'' بخاری میں ایک حدیث بھی اس مضمون کی

ہے، **لاتسبو الدھر** ، کیا حکمائے اسلام میں سے کسی نے یہ مذہب اختیار کیا ہے، اگر ایسا ہو تو یہ بحث کہاں ملے گی۔[۱]

قرون وسطیٰ کے ایک یہودی حکیم موسیٰ ابن میمون نے لکھا ہے کہ خدا کے لئے کوئی مستقبل نہیں ہے بلکہ وہ زمان کو لحظہ بہ لحظہ پیدا کرتا ہے۔ میمون قرطبہ میں پیدا ہوا اور قاہرہ میں مرا، غالباً بارہویں صدی کے آخر میں اس نے مسلمانوں کی یونیورسٹیوں میں تعلیم پائی اور تمام عمر مسلمانوں ہی کی ملازمت کرتا رہا، متکلمین کے خیالات پر اس نے جرح وقدح بھی خوب کی ہے، میرا گمان ہے کہ میمون کا مذکورہ مذہب بھی ضرور کسی نہ کسی مسلمان حکیم کی خوشہ چینی ہے، اگر آپ کے علم میں یہ بات ہو تو مہربانی کر کے مطلع فرمایئے، میں ایک مضمون لکھ رہا ہوں جس کا عنوان یہ ہے ''زمان کی حقیقت فلسفۂ اسلام کی تاریخ میں''۔

امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا اور اس خط کا جواب جہاں تک ممکن ہو جلد دیجئے گا۔

مخلص

محمد اقبال بیرسٹر

---

[۱] اقبال مرحوم کو اس بحث سے بڑی دلچسپی تھی، میں نے اس پر لاہور میں ان کی ایک تقریر بھی سنی تھی، اخیر زمانہ میں میرے دل میں علامہ ابن قیمؒ کی تصانیف سے ایک حقیقت فہم میں آئی جس سے بڑی خوشی ہوئی، مگر افسوس کہ اس زمانہ میں مرحوم بیمار تھے، انتظار تھا کہ وہ تندرست ہوں تو ان کو سناؤں مگر افسوس

جڑ کٹ گئی نخل آرزو کی

مجھے یقین ہے کہ وہ سنتے تو ضرور خوش ہوتے۔

---

[۴۳]

لاہور

۱۸/مارچ ۱۹۲۸ء

مخدومی ! السلام علیکم

نوازش نامہ مل گیا ہے، جس کے لئے سراپا سپاس ہوں، ایک زحمت دیتا ہوں، معاف فرمائیے گا، ''مباحث مشرقیہ'' لاہور میں دستیاب نہیں ہوسکتی، کیا یہ ممکن ہے کہ آپ زمان کے متعلق امام رازی کے خیالات کا خلاصہ قلم بند فرما کر مجھے ارسال فرمادیں، میں اس کا ترجمہ نہیں چاہتا، صرف خلاصہ چاہتا ہوں، جس کے لکھنے میں غالبًا آپ کا بہت سا وقت ضائع نہ ہوگا۔

بزمِ اغیار کی رونق ضرور تھی، اسلام کا ہندوؤں کے ہاتھوں بک جانا گوارا نہیں ہوسکتا، افسوس اہل خلافت اپنی اصلی راہ سے بہت دور جا پڑے، وہ ہم کو ایک ایسی قومیت کی راہ دکھا رہے ہیں جس کو کوئی مخلص مسلمان ایک منٹ کے لئے بھی قبول نہیں کرسکتا۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

والسلام

محمد اقبال

---

[۴۴]

لاہور

۲۵/اپریل ۱۹۲۹ء

مخدومی ! السلام علیکم

نوازش نامہ مل گیا ہے، لکچروں کا اردو ترجمہ [۱] انشاء اللہ کیا جائے گا، اصطلاحات کے متعلق آپ سے بھی مشورہ طلب کروں گا۔

سر شفیع کی خدمت میں عرض کردوں گا، ذوالفقار علی خان ۴/مئی کو ولایت جارہے ہیں، ان سے کہنا مناسب نہیں معلوم ہوتا کیوں کہ ان کی مالی حالت کچھ حوصلہ افزا نہیں ہے۔ بہتر ہو کہ آپ سر عبدالقادر سے اس کارخیر [۲] کے لئے چندہ طلب فرمائیے۔

محمد اقبال

---

[۱] وہ لکچر جو مدراس میں میرے خطبات مدراس کے بعد اقبال مرحوم نے دیا تھا جو انگریزی میں شائع ہو چکا ہے۔

[۱] شاید ندوہ کی امداد کی درخواست

---

[۴۴]

لاہور

۲/ستمبر ۱۹۲۹ء

مخدومی ! السلام علیکم

ایک عریضہ ارسال خدمت کر چکا ہوں، امید کہ پہنچ کر ملاحظۂ عالی سے گذرا ہوگا، جس باب میں مولانا شبلیؒ نے ایک فقرہ شعائر و ارتفاقات کے متعلق نقل کیا ہے، اسی باب میں ایک اور فقرہ نظر سے گذرا جو پہلے نظر سے نہ گذرا تھا۔

''وشعائر الدین امر ظاهر یتخصص به ویمتا نصاحبه به فی سائر الادیان کالختان و تعظیم المساجد و الاذان و الجمعة الجماعات''۔

یہ شاہ صاحبؒ کی اپنی تشریح ہے، جناب کا ارشاد اس بارے میں کیا ہے، علیٰ ہذا القیاس، ارتفاقات میں شاہ صاحبؒ کی تشریح کے مطابق تمام تدابیر جو سوشل اعتبار سے نافع ہوں داخل ہیں، مثلاً نکاح و طلاق کے احکام وغیرہ۔ اگر شاہ صاحبؒ کی عبارت کی یہ تشریح صحیح ہے تو حیرت انگیز ہے، اگر ان معاملات میں تھوڑی سی بھی ڈھیل دی جائے تو سوسائٹی کا کوئی نظام نہ رہے گا۔[۱] ہر ایک ملک کے مسلمان اپنے اپنے دستور و مراسم کی پابندی کریں گے۔

ستمبر کے معارف کا شدت کے ساتھ منتظر ہوں۔ جلد بھجوایئے۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

[۲]مولانا شبلی مرحوم نے شاہ صاحبؒ کے الفاظ کے جو وسیع معنی قرار دیئے ہیں وہ صحیح نہیں۔

[۴۵]

لاہور

۲۲ر ستمبر ۱۹۲۹ء

مخدومی ! السلام علیکم

الکلام (یعنی علم کلام جدید) کے صفحہ ۱۱۴-۱۱۳ پر مولانا شبلیؒ نے حجۃ اللہ البالغۃ ص ۱۲۳ کا ایک فقرہ عربی میں نقل کیا ہے، جس کے مفہوم کا خلاصہ انہوں نے اپنے الفاظ میں بھی دیا ہے، اس عربی فقرہ کے آخری حصہ کا ترجمہ یہ ہے:

> ''اس بنا پر اس سے بہتر اور آسان طریقہ کوئی نہیں کہ شعار، تعزیرات اور انتظامات میں خاص اس قوم کے عادات کا لحاظ کیا جائے جس میں یہ امام پیدا ہوا ہے، اس کے ساتھ آنے والی نسلوں پر ان احکام کے متعلق چنداں سخت گیری نہ کی جائے''۔

مہربانی کر کے یہ فرمایئے کہ مندرجہ بالا فقرہ میں لفظ شعار سے کیا مراد ہے، اور اس کے تحت میں کون کون سے مراسم یا دستور آتے ہیں، اس لفظ کی مفصل تشریح مطلوب ہے، جواب کا سخت انتظار رہے گا۔

والسلام

مخلص محمد اقبال

[۴۶]

لاہور

۲۸ر ستمبر ۱۹۲۹ء

مخدومی !

والا نامہ ملا، جس کے لئے بہت شکر گذار ہوں۔

لفظ ''شعار'' کے معنی کے اطمینان آپ کی تحریر سے نہیں ہوا، کیا کسی جگہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغۃ میں شعائر کی یہ تشریح کی ہے، جو آپ نے کی ہے، دیگر عرض یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ نے اسی فقرہ میں لفظ ارتفاقات استعمال کیا ہے، مولانا شبلیؒ نے ایک جگہ اس کا ترجمہ انتظامات اور دوسری جگہ مسلمات کیا ہے، اردو ترجمہ سے یہ نہیں کھلتا کہ اصل مقصود کیا ہے، کل سیالکوٹ میں حجۃ اللہ البالغہ مطالعہ سے گذری ،اس سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحبؒ نے ارتفاقات کی چار قسمیں لکھی ہیں ، ان چار قسموں میں تمدن امور مثلاً نکاح ، طلاق وغیرہ کے مسائل بھی آجاتے ہیں۔کیا شاہ صاحبؒ کے خیال میں ان معاملات میں بھی سخت گیری نہیں کی جاتی ۔ میرا مقصد محض شاہ صاحبؒ کا مطلب سمجھنا ہے ۔ مہربانی کرکے اسے واضح فرمائیے ۔سنت پر آپ کا مضمون ضرور دیکھوں گا، اوراس سے اپنی تحریر میں فائدہ بھی اٹھاؤں گا۔اس خط کا جواب جلد ارسال فرمائیے۔

مخلص

محمد اقبال

---

[۴۷]

لاہور

۸/اگست ۱۹۳۳ء

مخدومی ! السلام علیکم

چند ضروری امور دریافت طلب ہیں ،جن کے لئے زحمت دے رہا ہوں ، از راہ عنایت معاف فرمائیے:

ا۔حضرت محی الدین ابن عربی کے فتوحات یا کسی اور کتاب میں حقیقتِ زمان کی بحث

کس کس جگہ ہے، حوالے مطلوب ہیں۔

۲۔ حضرات صوفیہ میں کسی اور بزرگ نے بھی اس مضمون پر بحث کی ہو تو اس کے حوالہ سے بھی آگاہ فرمائیے۔

۳۔ متکلمین کے نقطۂ خیال سے حقیقت زمان یا آن سیال پر مختصر اور مدلل بحث کون سی کتاب میں ملے گی۔

امام رازی کی مباحث مشرقیہ آج کل دیکھ رہا ہوں۔

۴۔ ہندوستان میں بڑے بڑے اشاعرہ کون کون سے ہیں اور ملا محمود جونپوری کو چھوڑ کر کیا اور فلاسفہ بھی ہندوستانی مسلمانوں میں پیدا ہوئے، ان کے اسماء سے مطلع فرمائیے، اگر ممکن ہو تو ان کی بڑی بڑی تصانیف سے بھی۔

امید کہ مزاج بعافیت ہوگا۔ والسلام

محمد اقبال

---

[۴۸]

لاہور

۴ر ستمبر ۱۹۳۳ء

مخدومی ! السلام علیکم

والا نامہ ابھی ملا ہے، جس کے لئے سراپا سپاس ہوں، رسالہ اتقان فی ماہیۃ الزمان آج مل گیا، میں نے اس کے لئے ایک دوست کو ٹونک لکھا تھا، آج مولوی برکات احمد کو ایک اور رسالہ کے لئے جو اردو میں ہے لکھا ہے، ہندی فلسفی ساکن پھلواری مصنف تسویلات فلسفہ کا نام کیا ہے، اور کتاب مذکورہ طبع ہوئی یا نہیں، اگر نہیں طبع ہوئی تو قلمی نسخہ اس کا کہاں سے دستیاب ہوگا، مہربانی کر کے جلد مطلع فرمائیں۔

شرح مواقف دیکھ رہا ہوں، فتوحات کا مطالعہ آپ کا ملخص آنے کے بعد دیکھوں گا۔

[۱] خدا کرے آپ کی صحت اچھی رہے اور آپ اس طرف جلد توجہ کرسکیں، نورالاسلام کا عربی رسالہ بابت مکان جو رامپور میں ہے کس زبان میں ہے، قلمی ہے یا مطبوعہ، نورالاسلام کا زمانہ کون سا ہے۔ اس تصدیع کے لئے معافی کا خواستگار ہوں۔

علوم اسلام کی جوئے شیر کا فرہاد آج ہندوستان میں سوائے سید سلیمان ندوی کے اور کون ہے۔

دارالمصنّفین کی طرف سے ہندوستان کے حکمائے اسلام پر ایک کتاب نکلنی چاہئے، اس کی سخت ضرورت ہے، عام طور پر یورپ میں سمجھا جاتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی کوئی فلسفیانہ روایات نہیں۔

والسلام

مخلص محمد اقبال

---

[۱] کروں گا۔ سہو قلم ہے۔

---

[۴۹]

لاہور

یکم ستمبر ۱۹۳۳ء

مخدومی جناب مولانا! السلام علیکم

ایک عریضہ پہلے ارسال کر چکا ہوں، اس کے جواب کا انتظار ہے، اس عریضہ میں یہ دریافت کرنا بھول گیا کہ ملا محبّ اللہ بہاری کی کتاب جوہرالفرد کہاں سے ملے گی؟

شاہ افغانستان آپ سے تعلیم مذہبی کے بارہ میں مشورہ چاہتے ہیں، شاید اسی ماہ ستمبر میں آپ کو کابل سے دعوت آئے، میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ جانے کے لئے تیار ہوں گے، ممکن ہے کہ سید راس مسعود اور اقبال بھی آپ کے ہمراہ ہوں، امید کہ مزاج بخیر ہوگا، جواب کا انتظار ہے۔

محمد اقبال

---

[۵۰]

لاہور

۱۷ر ستمبر ۱۹۳۳ء

مخدومی ! السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے، جو ہم نے قونصل جنرل صاحب کی خدمت میں بھیج دیا ہے، سید راس مسعود صاحب کی طرف سے ابھی تک جواب موصول نہیں ہوا۔

حضرت ابن عربی کے خیالات و افکار بھیجنے کا جو وعدہ آپ نے فرمایا، اس کے لئے بے حد شکر گذار ہوں، مولوی سید برکات احمد صاحب کا رسالہ میں نے دیکھا ہے، انشاء اللہ سبقاً سبقاً پڑھوں گا ، مسئلہ کے متعلق ابھی تک مشکلات باقی ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فلاسفہ پر جو اعتراضات ہمارے متکلمین نے کئے ہیں، وہ مسئلہ زمان کے متعلق خود ان کے افکار پر بھی عائد ہوتے ہیں، مولوی سید برکات احمد مرحوم نے دہر اور زمان میں امتیاز کر کے کسی قدر مشکلات کو کم کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن حق یہ ہے کہ مسئلہ نہایت مشکل ہے، ممکن ہے، حضرت ابن عربی اس پر روشنی ڈال سکیں۔

جمعیۃ العلماء (کان پور) کی صدارت کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے کہ بالکل صحیح ہے، مولوی مظہر الدین صاحب نے میرا حوالہ دینے پر اصرار کیا، اس واسطے میں نے ان کو اجازت دے دی کہ آپ کو صدارت کے لئے خط لکھیں تو میرا حوالہ دے دیں، میں خود مسلمانوں کے انتشار سے بیحد دردمند ہوں، اور گذشتہ چار یا پانچ سال کے تجربہ نے مجھے سخت افسردہ کر دیا ہے۔آپ کا طرز عمل اختیار کئے بغیر چارہ نہیں۔

مسلمانوں کا مغرب زدہ طبقہ نہایت پست فطرت ہے، میں نے آغا خان کو باوجود ان کی تمام کمزوریوں کے ان سب سے بہتر مسلمان پایا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدت سے ان کے

مذہبی خیالات میں ایک انقلاب عظیم آرہا ہے، زیادہ کیا عرض کروں سوائے التماس دعا کے۔

والسلام

مخلص محمد اقبال

---

[۵۱]

لاہور

۱۱/اکتوبر ۱۹۳۳ء

جناب مولانا ! السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے، میں نے آپ کو دعوت نامہ ۹/اکتوبر سے پہلے بھیج دیا تھا، تعجب ہے آپ نے اتنے دنوں بعد پاسپورٹ کے لئے درخواست دی، بہر حال قونصل صاحب نے گورنمنٹ آف انڈیا کو لکھ دیا ہے کہ آپ کا پاسپورٹ جلد مل جائے، مجھے امید ہے کہ جلد مل جائے گا، اس سے پہلے میں ایک پوسٹ کارڈ لکھ چکا ہوں کہ جب آپ کو پاسپورٹ مل جائے تو فوراً مجھے تار دیں تا کہ تاریخ روانگی مقرر کی جائے، سید راس مسعود کا خط مجھے کل ملا تھا، وہ لکھتے ہیں کہ ۱۹/اکتوبر کو پشاور سے چلنا چاہئے، میں نے ان کو جواب میں لکھا ہے کہ تاریخ روانگی [پشاور سے] کی تعیین پاسپورٹ ملنے پر ہونی چاہئے، یہ بھی خیال رہے کہ اگر ملازم ساتھ لے جانا چاہیں تو اس کے لئے پاسپورٹ علاحدہ لینا ہوگا، اکتوبر میں موسم خوشگوار رہتا ہے ، راتیں عام طور پر ایسی ہوتی ہیں جیسے شملہ میں، البتہ نومبر میں کسی قدر سردی بڑھ جاتی ہے، میرے خیال میں سردی کے موسم کے لئے موزوں بستر اور پہننے کے لئے کپڑے لے جانے چاہئیں، قونصل صاحب نے بھی یہی لکھا ہے، قونصل خانہ کا ایک آدمی ہمارے ہمراہ جائے گا، پشاور سے آپ شاہی مہمان ہوں گے، وہاں آٹھ دس روز سے زیادہ ٹھہرنے کی شاید ضرورت نہ ہوگی، زیادہ کیا عرض کروں، امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

محمد اقبال لاہور

---

[۵۲]

لاہور

۱۳/ اکتوبر ۱۹۳۳ء

مخدومی مولانا ! السلام علیکم

سید راس مسعود اصرار کرتے ہیں کہ لاہور سے ۲/ اکتوبر کی صبح کو پشاور کی طرف روانہ ہوں، شام کو پشاور پہنچ جائیں گے، رات بھر وہاں ٹھہر کر ۲۱/ کی صبح کو روانہ کابل ہوں گے، آپ ایسا انتظام کریں کہ یا تو ۲۰/ کی صبح کو لاہور پہنچیں یا ۱۹/ کی شام کو لاہور پہنچ جائیں، امید کہ آپ کو پاسپورٹ اس سے پہلے مل جائے گا، میرا پاسپورٹ کل مل جانے کی توقع ہے، البتہ ملازم کا دو تین روز بعد ملے گا، زیادہ کیا عرض کروں، امید کہ مزاج والا بخیر و عافیت ہوگا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ہم ۲۱/ کی صبح کو پشاور میں مل جائیں، اگر ہم پہلے پہنچیں گے تو آپ کے لئے آدمی اسٹیشن پر بھجوا دیا جائے گا، اس کارڈ کے جواب میں فوراً خط لکھئے تاکہ آپ کے انتظامات کا حال معلوم ہو جائے۔

مخلص

محمد اقبال

---

[۵۳]

لاہور

۱۴/ اکتوبر ۱۹۳۳ء

جناب مولانا ! السلام علیکم

اس سے پہلے ایک کارڈ آپ کی خدمت میں لکھ چکا ہوں اور ایک ملفوف خط بھی لکھ چکا ہوں، پاسپورٹ ۱۹/ اکتوبر سے پہلے ہم سب کو مل جائیں گے، اب فیصلہ یہ ہے کہ ہم ۲۰/ اکتوبر

کو لاہور سے صبح کی ٹرین میں پشاور کو روانہ ہوں اور ۲۱ر کی صبح کو کابل روانہ ہوں، جلدی اس واسطے ہے کہ نومبر میں وہاں سردی ہو جاتی ہے، سید راس مسعود ۱۹ر کی شام کو لاہور پہنچ جائیں گے، آپ بھی مہربانی کر کے ۱۹ر کی شام کو لاہور پہنچ جایئے، یا ۲۰ر کی صبح کو ایسے وقت پہنچئے کہ آپ ہمارے ساتھ ۲۰ر کی صبح کو میل ٹرین میں سوار ہو سکیں، قونصل خانہ سے جو آدمی ہمارے ہمراہ جائے گا وہ بھی لاہور ہی سے ساتھ ہوگا، زیادہ کیا عرض کروں، جب ملاقات ہوگی تو مفصل عرض کروں گا، اس انتظام کے لئے قونصل جنرل صاحب کو اطلاع دے دی ہے۔

والسلام

مخلص محمد اقبال

---

[۵۴]

لاہور

۱۴ر اکتوبر ۱۹۳۳ء

مخدومی !

آپ کا پوسٹ کارڈ ابھی ملا ہے، میں اس سے پہلے ایک ملفوف خط ارسال خدمت کر چکا ہوں، آپ ۱۹ر اکتوبر کی شام کو لاہور پہنچ جایئے، یہاں سے ۲۰ر اکتوبر کی صبح پشاور روانہ ہو جائیں گے، سید راس مسعود بھی ۱۹ر کی شام کو لاہور پہنچیں گے، قونصل جنرل صاحب کو بھی آپ تار دے دیں کہ آپ ۱۹ر کی شام کو لاہور پہنچ جائیں گے۔

اگر آپ کو پاسپورٹ ۱۷ر کو مل جائے تو مجھے تار دینے کی ضرورت نہیں، قونصل جنرل کو بذریعہ تار مطلع کر دیں اور لاہور ۱۹ر کی شام کو پہنچ جایئے۔

والسلام

محمد اقبال

---

[۵۵]

لاہور

۵/اکتوبر۱۹۳۳ء

مخدومی جناب مولانا ! السلام علیکم

دعوت نامہ جو قونصل صاحب کی طرف سے مجھے موصول ہوا ہے، ارسال خدمت ہے، تاریخ روانگی کے متعلق بعد میں عرض کروں گا کیوں کہ پاسپورٹ لینے کے لئے بھی کچھ دن لگیں گے۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

آج قونصل صاحب کو مزید تفصیلات کے لئے خط لکھا رہا ہوں، ان کا جواب آنے پر پھر خط لکھوں گا، آپ پاسپورٹ کے لئے درخواست دے دیں، اس میں اگر یہ لکھ دیا جائے کہ آپ کو شاہ افغان نے تعلیمی امور میں مشورہ کرنے کے لئے طلب فرمایا ہے تو پاسپورٹ حاصل ہونے میں سہولت ہو اور جلد مل جائے۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال لاہور

---

[۵۶]

لاہور

۱۸/اکتوبر۱۹۳۳ء

جناب مکرم ! السلام علیکم

آپ کا تار ملا، جس سے معلوم ہوا کہ ۱۷/اکتوبر تک آپ کو پاسپورٹ نہیں مل سکا، ممکن ہے ۱۸/ یا ۱۹/ تک مل جائے، ہم یعنی سید راس مسعود اور میں ۲۰/ کی صبح کو لاہور سے روانہ ہوں گے، تمام انتظامات مکمل ہو چکے ہیں، اگر آپ ۲۱/ کی صبح کو بھی پشاور پہنچ سکیں تو خوب ہے، ڈین ہوٹل میں رات بسر ہوگی، یہ ہوٹل پشاور چھاونی کے اسٹیشن سے بالکل قریب ہے، آپ وہیں

کے پتہ پر ہم کو تار دے دیں، ہم آپ کی گاڑی کا انتظار کریں گے اور اسٹیشن پر آپ کے لئے آدمی بھیج دیا جائے گا، اگر آپ کل شام یا ۲۰ر کی صبح کو لاہور پہنچ سکیں تو ٹکٹ صرف لاہور ہی تک کا خریدیں جیسا کہ میں پہلے تار دے چکا ہوں، اگر یہ ممکن نہ ہو تو ٹکٹ پشاور چھاونی اسٹیشن تک کا خرید کریں، آپ کے تمام مصارف ادا کئے جائیں گے، امید کہ آپ بخیریت ہوں گے اور آپ کی معیت سے ہم سب مستفیض ہوں گے۔ والسلام

محمد اقبال

---

[۵۷]

لاہور

۹ر اکتوبر ۱۹۳۳ء

جناب مولانا ! السلام علیکم

میں نے آپ کی خدمت میں دعوت نامۂ افغانستان ارسال کیا تھا، مگر آپ کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا، امید ہے کہ آپ نے پاسپورٹ کے لئے اپنے ضلع میں درخواست کر دی ہوگی، اگر کوئی ملازم آپ کے ہمراہ جائے گا تو اس کے لئے علیحدہ درخواست پاسپورٹ کے لئے دینی ہوگی، جب آپ کو پاسپورٹ مل جائے تو مہربانی کر کے مجھے بذریعہ تار مطلع فرمایئے، پاسپورٹ کی درخواست ایک خاص فارم پر دی جاتی ہے، ساتھ فوٹو بھی دینا پڑتا ہے، اگر کوئی اور امر دریافت طلب ہو تو قونصل جنرل افغانستان ۳۔ ہیلی روڈ، نیو دہلی سے دریافت کریں، آپ کے مصارف افغان گورنمنٹ ادا کرے گی، پشاور سے آپ شاہی مہمان ہوں گے، جواب جلد دیں۔

مخلص

محمد اقبال لاہور

---

[٥٨]

لاہور

١٨؍نومبر ١٩٣٣ء

مخدومی جناب قبلہ مولانا ! السلام علیکم

معارف سے معلوم ہوا کہ آپ مع الخیر وطن پہنچ گئے۔

یہ عریضہ حضرت محی الدین ابن عربی کے مسئلہ زمان و مکان کی تلخیص کی یاددہانی کے لئے لکھتا ہوں، مجھے چند روز تک اس کی ضرورت پڑے گی، اس واسطے التماس ہے کہ ادھر جلد توجہ فرما کر مجھے ممنون فرمائیے۔

شاہ نادر کی شہادت کا قلق ہوا، خدا تعالیٰ اپنے جوار رحمت میں جگہ دے، انشاء اللہ افغانستان میں امن و امان رہے گا، میں نے شاہ ظاہر کو تار دے دیا تھا، جس کا جواب پرسوں موصول ہوا، صدر اعظم صاحب کا تار بھی آیا تھا، امید کہ آپ نے بھی ان کو خیریت کا تار دیا ہوگا ، زیادہ کیا عرض کروں۔

امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

محمد اقبال

---

[٥٩]

لاہور

٩؍دسمبر ١٩٣٣ء

مخدومی ! السلام علیکم

عمر خیام پر آپ نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس پر اب کوئی مشرقی یا مغربی عالم اضافہ نہ کر سکے گا، الحمدللہ کہ اس بحث کا خاتمہ آپ کی تصنیف پر ہوا۔

مولوی نورالاسلام کا رسالہ فی تحقیق المکان کی نقل رام پور کے کتب خانہ سے آ گئی ہے،

اب آپ کے ایفائے وعدہ کا انتظار ہے، امید ہے کہ آپ ادھر جلد توجہ فرما کر مجھے شکر گذاری کا موقع دیں گے، زیادہ کیا عرض کروں، امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

---

[۶۰]

لاہور

۱۵ر دسمبر ۱۹۳۳ء

مخدومی جناب مولانا ! السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے، تلخیص کے لئے نہایت شکر گذار ہوں، مگر اسے پڑھ کر میرے دل میں ایک خیال یا سوال پیدا ہوا ہے، جس کا پوچھنا ضروری ہے۔

اگر دہر ممتد اور مستمر ہے، اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے تو پھر مکان کیا چیز ہے، جس طرح زمان، دہر کا ایک طرح سے عکس ہے، اسی طرح مکان بھی دہر ہی کا عکس ہونا چاہئے، یا یوں کہئے کہ زمان و مکان دونوں کی حقیقت اصلیہ دہر ہی ہے، کیا یہ خیال محی الدین ابن عربی کے نقطۂ خیال سے صحیح ہے، اس کا جواب شاید فتوحات ہی میں ملے، مہربانی کر کے تھوڑی سی تکلیف اور گوارا فرمایئے اور دیکھئے کہ کیا انہوں نے مکان پر بھی کچھ بحث کی ہے، اور اگر کی ہے تو مکان اور دہر کا تعلق ان کے نزدیک کیا ہے، اس زحمت کے لئے معافی چاہتا ہوں اور جواب جہاں تک ہو جلد مانگتا ہوں۔

میں نے زمان و مکان کے متعلق تھوڑا سا مطالعہ کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے بڑے بڑے مسائل پر غور و فکر کیا ہے، اور اس غور و فکر کی تاریخ لکھی جا سکتی ہے، یہ کام صرف آپ ہی کر سکتے ہیں، میرے خیال میں آپ کو چاہئے کہ اس کام کو اپنی زندگی کے اہم مقاصد میں شمار کریں۔ جواب کا انتظار رہے گا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

---

[۶۱]

لاہور

۱۵رجنوری ۱۹۳۴ء

مخدومی ! السلام علیکم

دنیا اس وقت عجیب کشمکش میں ہے، جمہوریت فنا ہورہی ہے، اور اس کی جگہ ڈکٹیٹر شپ قائم ہورہی ہے، جرمنی میں مادی قوت کی پرستش کی تعلیم دی جارہی ہے، سرمایہ داری کے خلاف پھر ایک جہادِ عظیم ہورہا ہے، تہذیب وتمدن [بالخصوص یورپ میں] بھی حالت نزع میں ہے، غرض کہ نظام عالم ایک نئی تشکیل کا محتاج ہے، ان حالات میں آپ کے خیال میں اسلام اس جدید تشکیل کا کہاں تک ممد ہوسکتا ہے، اس مبحث پر اپنے خیالات سے مستفیض فرمایئے، اور اگر کوئی ایسی کتابیں ہوں جن کا مطالعہ اس ضمن میں مفید ہو تو ان کے ناموں سے آگاہ فرمایئے۔

والسلام

محمد اقبال

---

[۶۲]

لاہور

۲۴رجنوری ۱۹۳۴ء

مخدومی ! السلام علیکم

کچھ روز ہوئے ایک عریضہ لکھا تھا، غالبًا آپ کی عدیم الفرصتی جواب سے مانع رہی، اس خط کے جواب کا انتظار ہے۔

کل میں آپ کے پرانے خطوط پڑھ رہا تھا، جو میرے پاس محفوظ ہیں، ان میں سے

ایک خط میں آپ نے یہ لکھا ہے کہ اسلامی ریاست کے امیر کو اختیار ہے کہ جب اسے معلوم ہو کہ بعض شرعی اجازتوں میں فساد کا امکان ہے تو ان اجازتوں کو منسوخ کر دے، عارضی طور پر یا مستقل طور پر، بلکہ بعض فرائض کو بھی منسوخ کر سکتا ہے،[۱] اس وقت آپ کا خط میرے سامنے نہیں ہے، حافظہ سے لکھ رہا ہوں، کیا یہ بات صحیح ہے، اگر صحیح ہے تو اس کا حوالہ کہاں سے ملے گا، مہربانی کر کے اس کتاب کا پتہ دیجیئے جس میں یہ مسئلہ درج ہے۔[۲] کیا یہ صحیح ہے کہ متعہ [نکاح موقت] حضرت عمرؓ سے پہلے مسلمانوں میں مروج تھا اور حضرت عمرؓ نے اسے منسوخ کر دیا، نیز زمانۂ حال کا کوئی امیر بھی کسی امر کی نسبت ایسا فیصلہ کرنے کا مجاز ہے۔

سفر نامۂ کابل بہت دلچسپ ہے، ممکن ہے آپ کو وہاں ایک دفعہ پھر جانا پڑے۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

---

[۶۳]

لاہور

یکم فروری ۱۹۳۴ء

جناب مولانا ! السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے، جس کے لئے بہت شکر گذار ہوں، میں نے آپ کا پہلا خط پھر دیکھا ہے، آپ نے جو کچھ لکھا ہے درست ہے مگر میں ان معاملات کی ایک فہرست چاہتا ہوں۔

۱۔ جن کے متعلق رائے قائم کرنا امام کے سپرد ہے، جرائم میں ایسے جرم میں جن کی تعزیر غالباً قرآن شریف میں مقرر ہے، ان کے متعلق امام کیوں کر رائے دے سکتا ہے۔

۲۔ آپ فرماتے ہیں کہ تواتر عمل کی ایک مثال نماز ہے، مالکیوں اور حنفیوں اور شیعوں میں جو اختلاف صورت نماز میں ہے وہ کیوں کر ہوا۔

۳۔ایک اور سوال پوچھنے کی جرأت کرتا ہوں،۱۔احکام منصوصہ میں توسیع اختیارات امام کے اصول کیا ہیں؟ ۲۔اگر امام توسیع کرسکتا ہے تو کیا ان کے عمل کو محدود بھی کرسکتا ہے، اس کی کوئی تاریخی مثال ہو تو واضح فرمائیے، ۳۔زمین کا مالک قرآن کے نزدیک کون ہے، اسلامی فقہاء کا مذہب اس بارے میں کیا ہے، قاضی مبارک میں شاید اس کے متعلق کوئی فتویٰ ہے، وہ فتویٰ کیا ہے؟

۴۔اگر کوئی اسلامی ملک [روس کی طرح] زمین کو حکومت کی ملکیت قرار دے تو کیا یہ بات شرع اسلامی کے موافق ہوگی یا مخالف، اس مسئلہ کا سیاست اور اجتماع معاشرت سے گہرا تعلق ہے، کیا یہ بات بھی رائے امام کے سپرد ہوگی۔

۵۔صدقات کی کتنی قسمیں اسلام میں ہیں، صدقہ اور خیرات میں کیا فرق ہے، تکلیف تو آپ کو ان سوالات کے جواب میں ہوگی، مگر مجھے امید ہے کہ آپ مجھے اس زحمت کے لئے معاف فرمائیں گے۔

تعلیمی مشورت کے لئے جو جلسے آپ کے آنے سے پہلے ہوئے ان کے متعلق کچھ نوٹ سید راس مسعود نے لئے تھے، ان کی خدمت میں ہم دونوں کے علاوہ سردار فیض محمد خان وزیر خارجہ اور افغانی تعلیمی بورڈ کے ممبر اور غالباً ترکی کے تعلیمی مشیر شامل تھے، سرور خان کے خطوط بھی آئے تھے۔

والسلام

محمد اقبال

---

[۶۴]

لاہور

۶رستمبر۱۹۳۴ء

مخدومی مولانا! السلام علیکم

یہ خط اعظم گڑھ کے پتہ پر لکھتا ہوں، معلوم نہیں آپ ابھی علی گڑھ میں ہیں یا وہاں سے

واپس آ گئے، راغب اصفہانی نے مفردات میں لفظ نبی کی تشریح میں لکھا ہے کہ لفظ نبی کے دو معنی ہیں، خبر دینے والا اور مقام بلند پر کھڑا ہونے والا، اول الذکر نبی ہمزہ کے ساتھ اور دوسرا بغیر ہمزہ کے، اس ضمن میں راغب نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے، یعنی حضور رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ میں نبی بغیر ہمزہ کے ہوں، یہ حدیث صحاح ستہ میں ہے یا نہیں۔[۱]

قرآن شریف میں جن انبیاء کا ذکر ہے ان میں کون سے نبی بالہمزہ ہیں اور کون سے بغیر ہمزہ کے، یا سب کے سب بغیر ہمزہ کے ہیں۔[۲]

۲۔لفظ نار[۳] کا روٹ عربی زبان میں کیا ہے۔

۳۔لفظ نجات[۴] کا روٹ کیا ہے اور روٹ کے رو سے اس کے معنی کیا ہیں، غالبًا راغب ہی نے لکھا ہے کہ اس کے معنی بلندی کے ہیں۔

نمبر ایک میں جو سوال میں نے لکھا ہے وہ بڑا اہم ہے کیوں کہ اگر قرآنی انبیاء یا حضور رسالت مآبؐ نبی بغیر ہمزہ کے ہیں تو لفظ نبی کا انگریزی ترجمہ Prophet جس کے معنی خبر دینے والا کے ہیں، کیوں کر درست ہوسکتا ہے؟ امید کہ آپ کا مزاج بخیر وعافیت ہوگا۔

آپ کا سفرنامہ افغانستان خوب ہے، لوگوں نے پسند کیا، ہاں ایک ضروری بات یاد آ گئی، یہاں ایک صاحب کے پاس شاہ ولی اللہؒ کی تفہیمات الٰہیہ کی دوسری جلد ہے، جو شاہ عاشق حسین [شاگرد ولی اللہ] کی لکھی ہوئی ہے، کیا ندوہ کے کتب خانہ میں یہ کتاب موجود ہے، مولوی نواب صدر یار جنگ کے ہاں جو نسخہ ہے وہ پہلی جلد ہے، یا دوسری یا دونوں، کیا کسی نے اس کتاب کے اردو ترجمہ کا انتظام کیا ہے، مجھے ایسا یاد پڑتا ہے کہ شاید معارف میں اس کے اردو ترجمہ کا اعلان کیا گیا تھا۔

والسلام

محمد اقبال

---

[۱] یہ حدیث صحاح میں نہیں، آپ نے اس لئے نبی کہنے سے منع فرمایا کہ لغت کے رو سے منصب دار نبوت کے لئے نبی کا لفظ ہے، نبئ نہیں۔

[۲] یقیناً سب کے سب نبی بلا ہمزہ کے ہیں۔
[۳] ن ور معلوم ہوتا ہے، اس روٹ کے اصل معنی چمک کے معلوم ہوتے ہیں، نور، روشنی، نار، آگ، نورہ، چونا، نورہ، کلی سب اسی ایک مفہوم کے مظاہر ہیں۔
[۴] ن ج و معنی بلندی کے، یعنی جو سیلاب کے وقت پناہ کی جگہ بن سکے، اسی سے نجوۃ ہے اور اسی سے موجودہ نجاۃ ہے۔

---

[۶۵]

بھوپال شیش محل
۱۹ر جولائی ۱۹۳۵ء

مخدوم و مکرم جناب قبلہ مولوی صاحب! السلام علیکم

میں گلے کے برقی علاج کے لئے کچھ مدت کے لئے بھوپال میں مقیم ہوں، اس خط کا جواب یہیں، مذکورۂ بالا پتہ پر عنایت فرمائیں۔

۱۔ کیا فقہ اسلامی کے رو سے توہین رسولؐ قابل تعزیر جرم [۱] اگر ہے تو اس کی تعزیر کیا ہے؟ [۲]

۲۔ اگر کوئی شخص جو اسلام کا مدعی ہے یہ کہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو حضور رسالت مآب پر جزوی فضیلت حاصل ہے، اس واسطے کہ مرزا قادیانی ایک زیادہ متمدن زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں تو کیا ایسا شخص توہینِ رسولؐ کے جرم کا مرتکب ہے، بالفاظ دیگر اگر توہین رسول جرم قابل تعزیر ہے تو عقیدۂ مذکور توہین رسول کی حد میں آتا ہے یا نہیں۔ [۳]

۳۔ اگر توہین رسولؐ کی مثالیں کتب فقہ میں مذکور ہوں تو مہربانی فرما کر ان میں چند تحریر فرمایئے کتاب کا حوالہ بقید صفحہ تحریر فرما کر ممنون فرمایئے۔ [۴]

امید ہے کہ اس عریضہ کا جواب جلد ملے گا، زیادہ کیا عرض کروں، میری صحت پہلے سے بہتر ہے، امید ہے اس دفعہ کے علاج سے زیادہ فائدہ ہوگا۔

والسلام
مخلص محمد اقبال لاہور
حال وارد بھوپال

---

[۱] بے شبہہ
[۲] تعزیر حسب رائے امام قید سے لے کر قتل تک
[۳] حضور ﷺ پر کسی کو جزوی فضیلت حاصل ہونا جائز ہے، اور ایسا کہنا نہ کفر ہے نہ توہین نبی کا باعث ہے، البتہ مقتضائے محبت کے خلاف ہے، اور پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ یہ جزوی فضیلت حقیقت میں فضیلت کے شمار میں ہے بھی، مثلاً زیادہ متمدن زمانہ میں ہونا کوئی فضیلت نہیں، کیوں کہ خود تمدن نہ کوئی دینی فضیلت ہے، نہ اخلاقی، نہ عقلی، بلکہ ممکن ہے کہ اس کے بعد اور بھی دنیا زیادہ متمدن ہو جائے، تو اس زمانہ کے آدمی پر بھی اس زمانہ کے آدمی کو فوقیت ہو جائے، اور اگر یہ امر باعث فضیلت ہو تو غلام احمد قادیانی کیا اقبال سیال کوٹی کو بھی یہ جزوی فضیلت حاصل ہے، بلکہ غلام احمد سے زیادہ، کیوں کہ مرزا صاحب نے صرف اس کو دور سے دیکھا ہے، چکھا اور آزمایا نہیں۔

---

[۴] یہ نقل کفر مجھ سے نہ ہوگا، آپ السیف المسلول علی شاتم الرسولؐ دیکھ لیجئے۔

---

[۶۶]

لاہور
یکم اگست ۱۹۳۵ء
مخدوم ومکرم جناب مولانا! السلام علیکم
آپ کا والا نامہ مجھے ابھی ملا ہے جس کے لئے سراپا سپاس ہوں، چند امور اور بھی

دریافت طلب ہیں، ان کے جواب سے ممنون فرمایئے:

۱۔تکملۂ مجمع البحار ص ۸۵ میں حضرت عائشہؓ کا ایک قول نقل کیا گیا ہے، یعنی یہ کہ حضور رسالت مآبؐ کو خاتم النبیین کہو، لیکن یہ نہ کہو کہ ان کے بعد کوئی اور نبی نہیں ہوگا۔[۱]

مہربانی کرکے کتاب دیکھ کر یہ فرمایئے کہ آیا اس قول کے اسناد درج ہیں اور اگر ہیں تو آپ کے نزدیک ان اسناد کی حقیقت کیا ہے، ایسا ہی قول درمنثور جلد پنجم ص ۲۰۴ میں ہے، اس کی تصدیق کی بھی ضرورت ہے۔[۲] میں نے یہاں بھوپال میں یہ کتب تلاش کیں، افسوس اب تک نہیں ملیں۔

۲۔حجج الکرامۃ ص ۴۲۷-۴۳۱ میں حضرت مسیحؑ کے دوبارہ آنے کے متعلق ارشاد ہے: **من قال بسبب نبوته كفر حقا** اس قول کی آپ کے نزدیک کیا حقیقت ہے۔[۳]

۳۔ **لو عاش ابراهيم لكان نبياً** اس حدیث کے متعلق کیا خیال ہے، نووی اسے معتبر نہیں جانتا، ملا علی قاری کے نزدیک معتبر ہے، کیا اس کے اسناد درست ہیں۔[۴] بخاری کی حدیث **وامامكم منكم** میں واو حالیہ ہے کیا[۵] اگر حالیہ ہو تو اس حدیث کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسیحؑ کے دوبارہ آنے سے مسلمانوں کو کوئی تعلق نہیں، کیوں کہ جس وقت وہ آئیں گے مسلمانوں کا امام خود مسلمانوں میں سے ہوگا۔

۴۔ختم نبوت کے متعلق اور بھی اگر کوئی بات آپ کے ذہن میں ہو تو اس سے آگاہ فرمایئے، زیادہ کیا عرض کروں، امید کہ مزاج بخیر ہوگا، والسلام

مخلص محمد اقبال

---

[۱] جی ہاں! اس کتاب میں یہ روایت ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ سے لی گئی ہے، لیکن اس کی سند مذکور نہیں، جو روایت کی صحت وضعف کا پتہ لگایا جائے، اور اگر صحیح ہو بھی تو یہ حضرت عائشہؓ کی محض رائے ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے بار بار خود فرمایا ہے، **لا نبي بعدي**، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ حضرت عائشہؓ نے اپنے خیال میں اس لئے ایسا کہنے سے منع کیا کہ حضرت عیسیٰؑ کے نزول کا انکار اس

سے لوگ نہ سمجھنے لگیں، بہر حال یہ ان کا خیال ہے جس کا صحیح ہونا ضروری نہیں، خصوصاً ایسی صورت میں جب خود حضور ﷺ کے قول کے خلاف ہو۔

[۲] جی ہاں وہی روایت بحوالہ ابن ابی شیبہ اس کتاب میں بھی ہے اور اس کی نسبت پہلے لکھ چکا۔

[۳] حج الکرامۃ فی آثار القیامۃ نواب صدیق حسن خاں کی کتاب ہے، حضرت عیسیٰؑ کی آمد ثانی بصفت نبوت ہوگی یا بلا صفت نبوت، اس باب میں علماء کا اختلاف ہے، نواب صاحب کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ بصفت نبوت ہوگی، اس لئے وہ لکھتے ہیں کہ جو لوگ ان کی آمد ثانی میں ان کی صفت نبوت کا انکار کرتے ہیں وہ مرتکب کلمہ کفر ہیں، بہر حال یہ رائے ہے۔

[۴] یہ ابن ماجہ کی روایت ہے، اس روایت کو بعض محققین نے موضوعات میں شمار کیا ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ یہ فرضاً ہے، واقعۃً نہیں، کیوں کہ لو فرض اور عدم وقوع کے لئے آتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، اس لئے ابراہیم بن محمدؐ کو بچپن ہی میں اٹھا لیا گیا، چنانچہ دوسری روایتوں میں یہی مذکور ہے، چنانچہ خود ابن ماجہ میں اور بخاری میں ہے ولو قضی ان یکون بعد محمد نبی لعاش ابنہ ولکن لا نبی بعدی (ابن ماجہ جنائز، بخاری انبیاء) یعنی یہ کہ اگر فیصلۂ الٰہی یہ ہوتا کہ محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی ہوتو آپ کے صاحبزادے زندہ رہتے، لیکن یہ فیصلہ الٰہی ہو چکا تھا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، ملا علی قاری نے اس کو موضوعات میں لیا ہے، اس کو معتبر نہیں کہا ہے، ضعیف کہا، اس میں ابو شیبہ ابراہیم ضعیف ہے، بلکہ وہ متروک الحدیث، منکر الحدیث، باطل گو اور دروغ گو تک کہا گیا ہے، اس کے بعد بشرط صحت ملا نے اس کی تاویل کی ہے، بہر حال اس حدیث کا وہی مطلب ہے جو اس حدیث کا ہے لو کان بعدی نبیٌ لکان عمر (مسند احمد، ترمذی) یعنی یہ کہ اگر میرے بعد نبی ہونا ممکن ہوتا تو عمر بن خطاب نبی ہوتے لیکن چوں کہ ممکن نہیں اس لئے نہ وہ اور نہ کوئی اور نبی ہوسکتا ہے۔

[۵] صحیح یہی ہے کہ واؤ حالیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ عیسائیوں پر حجت ہوں گے، اور مسلمانوں کی تائید فرمائیں گے، مسلمانوں کا امام الگ ہوگا، حضرت عیسیٰ نہ ہوں گے۔

---

[۶۷]

بھوپال

۲۰/اگست ۱۹۳۵ء

مخدومی ! السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے جس کے لئے سراپا سپاس ہوں، میں بھی یہاں حمیدیہ لائبریری اور بعض پرائیویٹ احباب سے کتابیں منگوا کر دیکھتا رہا، الحمد للہ بہت سی باتیں مل گئیں، اس مطالعہ سے مجھے بے انتہا فائدہ ہوا اور آپ کے خط نے تو اور بھی راہیں کھول دی ہیں۔

میں نے کبھی اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا، اس واسطے کوئی میرا رقیب نہیں اور نہ میں کسی کو اپنا رقیب تصور کرتا ہوں، فن شاعری سے مجھے کبھی دلچسپی نہیں رہی، ہاں بعض مقاصد خاص رکھتا ہوں، جس کے بیان کے لئے اس ملک کے حالات و روایات کے رو سے میں نے نظم کا طریقہ اختیار کر لیا ہے، ورنہ

نہ بینی خیر ازاں مرد فرو دست   کہ برمن تہمت شعر و سخن بست (زبور عجم)

---

[۶۸]

بھوپال

۲۳/اگست ۱۹۳۵ء

مخدوم مکرم جناب مولانا! السلام علیکم

ایک عریضہ لکھ چکا ہوں، امید کہ پہنچ کر ملاحظۂ عالی سے گذرا ہوگا، ایک بات دریافت طلب رہ گئی تھی، جواب عرض کرتا ہوں۔

کیا علمائے اسلام میں کوئی ایسے بھی بزرگ گذرے ہیں، جو حیات و نزول مسیح ابن مریم کے منکر ہوں، معتزلہ کا عام طور پر اس مسئلہ میں کیا مذہب ہے۔[۱]

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا، میں ۲۸/اگست کی شام کو رخصت ہو جاؤں گا، علاج کا

کورس اس روز صبح ختم ہو جائے گا، اس خط کا جواب لاہور کے پتہ پر ارسال فرمایئے۔

والسلام

محمد اقبال

---

[۱] مجھے جہاں تک علم ہے نزول مسیحؑ کا انکار کسی نے نہیں کیا، معتزلہ کی کتابیں نہیں ملتی جو حال معلوم ہو، البتہ ابن حزم وفات مسیحؑ کے قائل تھے، ساتھ ہی نزول کے بھی۔

---

[۶۹]

لاہور

۲/ اگست ۱۹۳۶ء

مخدومی مولانا! السلام علیکم

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے آپ کو صحت عطا فرمائی، آپ کا وجود ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے از بس ضروری ہے، اور مجھے یقین ہے کہ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا ہے، تا کہ وہ دیر تک آپ کے علوم سے مستفیض ہوتے رہیں۔

میں نے سنا ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب بدور البازغہ چھپ گئی ہے، مہربانی کر کے اس کا ایک نسخہ وی. پی مجھے ارسال فرمایئے، اگر آپ کے پاس نہیں ہے تو مہربانی کر کے جہاں سے دستیاب ہو سکتی ہے، وہاں سے منگوا دیجئے، یا ان کو لکھ دیجئے کہ ایک نسخہ میرے لئے وی. پی کر دیا جائے، مجھے معلوم نہیں کہاں چھپی ہے اور کہاں سے دستیاب ہو سکتی ہے، اس واسطے آپ کو تکلیف دی گئی ہے۔

موسیٰ جار اللہ کو آپ جانتے ہوں گے، انہوں نے حال ہی میں ایک کتاب عقائد شیعہ پر شائع کی ہے، اس میں بعض لطائف ہیں، جو بہت جاذب توجہ ہیں۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

---

[۷۰]

لاہور

۷/اگست ۱۹۳۶ء

مخدومی! السلام علیکم

والا نامہ ابھی ملا ہے، آپ کی صحت کی خبر پڑھ کر بہت خوشی ہوئی، خدا تعالیٰ آپ کو دیر تک زندہ وسلامت رکھے، میری صحت کی حالت بہ نسبت سابق بہتر ہے گو آواز میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی، انشاء اللہ موسم سرما میں وہ انگریزی کتاب لکھنا شروع کردوں گا جس کا وعدہ میں نے اعلیٰ حضرت نواب صاحب بھوپال سے کر رکھا ہے، اس میں آپ کے مشورہ کی ضرورت ہے، بدورالبازغہ بھی اسی مطلب کے لئے منگوائی ہے، اس کتاب میں زیادہ تر قوانین اسلام پر بحث ہوگی کہ اس وقت اسی کی زیادہ ضرورت ہے، اس کے متعلق جو جو کتب آپ کے ذہن میں ہیں مہربانی کرکے ان کے ناموں سے مجھے آگاہ فرمایئے، کہ کہاں کہاں سے دستیاب ہوں گی۔

الحمد للہ کہ اب قادیانی فتنہ پنجاب میں رفتہ رفتہ کم ہو رہا ہے، مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی دو تین بیان چھپوائے ہیں، مگر حال کے روشن خیال علماء کو ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے، اگر آپ کی صحت اجازت دے تو آپ بھی اس پر ایک جامع ونافع بیان شائع فرمایئے، میں بھی تیسرا بیان انشاء اللہ جلد لکھوں گا، اس کا موضوع ہوگا ''بروز'' لفظ بروز[۱] کے متعلق اگر کوئی نکتہ آپ کے ذہن میں ہو، یا کہیں صوفیہ کی کتابوں میں اس پر بحث ہو تو اس کا پتہ دیجئے، نہایت شکر گذار ہوں گا۔

موسیٰ جاراللہ[۲] صاحب کی کتاب نہایت عمدہ ہے، ملنے کا پتہ کتاب پر یہ لکھا ہے:
مکتبہ الخانجی ۔شارع عبدالعزیز۔مصر

امید کہ مزاج والا بخیر و عافیت ہوگا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

---

[۱] لفظ ''بروز'' کے معنی تو ظہور ہیں، مگر اس کے اصطلاحی معنی ملاحدہ عجم کی پیداوار ہے۔

[۲] موسی جاراللہ مشہور روسی عالم، مفکر، یہ ہندوستان کئی بار آ چکے ہیں، مجھ سے مکہ معظّمہ میں ان سے ملاقات ہوئی تھی، یہ ترکی میں بہت سی اسلامی کتابوں کے مصنف ہیں، وہ ایک مرتبہ میری ملاقات کے لئے خاص طور سے دارالمصنّفین اعظم گڑھ بھی آئے تھے، مگر میں اس وقت سفر میں تھا، ان سے دارالمصنّفین میں ملاقات نہ ہونے کا ہمیشہ افسوس رہے گا۔

حوالے

(۱) مولانا سید سلیمان ندوی۔ سیر افغانستان: ص۱۰، ۲۹، ۳۰، ۸۱، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۲۰۲، ۲۰۳ وغیرہ۔ نفیس اکیڈمی کراچی۔ ۱۹۴۵ء

(۲) مشاہیر کے خطوط۔ ص۹۸

(۳) مشاہیر کے خطوط ص۹۶

(۴) مشاہیر کے خطوط ص۹۷

(۵) طاہر تونسوی۔ اقبال اور سید سلیمان ندوی۔ ص۱۹۔ مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۷۷ء

(۶) مشاہیر کے خطوط۔ ص۱۳۴

(۷) مشاہیر کے خطوط۔ ص۱۱۲

(۸) مشاہیر کے خطوط۔ ص۱۳۹

(۹) ماہنامہ معارف اپریل ۱۹۱۸ء

(۱۰) مشاہیر کے خطوط۔ ص۹۸

(۱۱) ماہنامہ معارف اپریل ۱۹۱۸ء ص۴۳

(۱۲) ماہنامہ معارف اپریل ۱۹۱۸ء ص ۴۴

(۱۳) ماہنامہ معارف اپریل ۱۹۱۸ء ص ۵۰

(۱۴) ماہنامہ معارف اپریل ۱۹۱۸ء ص ۴۴

(۱۵) ماہنامہ معارف اپریل ۱۹۱۸ء ص ۵۰

(۱۶) ماہنامہ معارف دسمبر ۱۹۲۰ء بحوالہ شذرات سلیمانی حصہ اول ص ۷۹

(۱۷) ماہنامہ معارف جنوری ۱۹۲۳ء بحوالہ شذرات سلیمانی حصہ اول ص ۲۲۹

(۱۸) ماہنامہ معارف مئی ۱۹۲۷ء بحوالہ شذرات سلیمانی حصہ اول ص ۱۲۴

(۱۹) ماہنامہ معارف مئی ۱۹۲۲ء ص ۳۷۶

(۲۰) ماہنامہ معارف مئی ۱۹۲۲ء ص ۳۷۷-۳۷۸

(۲۱) ماہ نامہ معارف جون ۱۹۳۵ء ص ۴۷۰

(۲۲) ماہنامہ معارف جون ۱۹۳۵ء ص ۴۷۱

(۲۳) ماہنامہ معارف اکتوبر ۱۹۳۶ء بحوالہ شذرات سلیمانی حصہ سوم ۱۱۸

(۲۴) سید سلیمان ندوی۔ یادرفتگاں۔ص ۱۸۱۔ دارالمصنّفین اعظم گڑھ۔ ۱۹۹۳ء

(۲۵) یادرفتگاں۔ص ۱۸۲-۱۸۳

(۲۶) یادرفتگاں۔ص ۱۸۳

(۲۷) یادرفتگاں۔ص ۱۸۲

اقبال اور عبدالسلام ندوی

مولانا عبدالسلام ندوی علامہ شبلی کے عزیز شاگرد اور دارالمصنّفین کے معماروں میں تھے ۔ وہ ندوہ سے تحصیل علم کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد کے رسالہ الہلال سے وابستہ ہوئے ۔ ۱۸/ نومبر ۱۹۱۴ء کو اس کے بند ہو جانے کے بعد وہ دارالمصنّفین اعظم گڑھ آئے ، پھر اپنی پوری زندگی دارالمصنّفین کی خدمت میں گذاردی ۔ اسوۂ صحابہ [۲/جلدیں] ، اسوہ صحابیات شعرالہند [۲/ جلدیں]، حکمائے اسلام [۲/جلدیں]، تاریخ اخلاق اسلامی، ابن خلدون، طبقات الامم، فقرائے اسلام، تاریخ فقہ اسلامی، ابن یمین، فطرت نسوانی، تاریخ الحرمین الشریفین اور اقبال کامل وغیرہ کتابیں ان کی اہم کاوشیں ہیں ۔ ۴/ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو وفات پائی اور دارالمصنّفین ہی کی خاک کا پیوند ہوئے ۔

مولانا عبدالسلام ندوی شبلی کے ان شاگردوں میں سے تھے جن پر علامہ شبلی کو ناز تھا۔ وہ نہ صرف دبستان شبلی کے بلکہ ہندوستان کے بڑے ماہر اقبالیات تھے۔ آزاد ہندوستان میں اقبال کی حیات اور فکروفن پر پہلی کتاب ''اقبال کامل'' انہی کے قلم سے نکلی ۔ انہوں نے علامہ اقبال کے کلام اور ان پر شائع شدہ مضامین و مقالات کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اور اسے مزید جامع و مانع بنانے کے لئے اہل علم خاص طور سے ڈاکٹر سید عبداللہ [۱۹۰۴-۱۹۸۶ء] اور مولانا عبدالماجد دریابادی]وغیرہ سے خط و کتابت کی (۱) اور تقریباً چار برس کی جاں کاہ محنت کے بعد یہ کتاب سپرد قلم کی ۔ اس میں علامہ اقبال کے حالات وسوانح، اخلاق و عادات اور ان کی تصنیفات اور مجموعہ کلام پر نقد وتبصرہ کیا گیا ہے اور ان کے ان علمی کارناموں کا ذکر بھی ہے جسے

وہ پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔اس کے بعد ان کی شاعرانہ عظمت اور بلند پایگی کی سرگذشت ہے جس کے مختلف ادوار قائم کر کے ہر دور کے کلام کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔اردو کے ساتھ ان کے فارسی کلام پر بھی تنقیدی نگاہ ڈالی گئی ہے اور کلام اقبال کے محاسن ومعائب دونوں دکھائے گئے ہیں۔علامہ اقبال کی شہرت ومقبولیت اور اس کے اسباب اور ان کے کلام کے تراجم کا بھی تفصیلی ذکر ہے۔فلسفہ خودی اور اس کے اجزاء وعناصر بھی بیان کئے گئے ہیں۔نیز فلسفہ بے خودی کا بھی ذکر ہے۔ملت،تعلیم،سیاست،صنف لطیف،فنون لطیفہ اور نظام اخلاق وغیرہ سے متعلق نظریات اقبال کا تنقیدی تجزیہ بھی پیش کیا گیا ہے۔آخر میں نعتیہ کلام پر نقد وتبصرہ ہے۔

مولانا عبدالسلام ندوی نے اس میں اقبال کے لفظی ومعنوی اغلاط کی بھی نشاندہی کی ہے۔اس طرح یہ کتاب علامہ اقبال کی عظیم شخصیت اور شاعرانہ فضل وکمال پر ایک جامع اور مبسوط تصنیف قرار پاتی ہے۔اقبال پر جو چند اہم کتابیں مرجع تسلیم کی جاتی ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے۔ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم [۱۸۹۳-۱۹۵۹ء] لکھتے ہیں:

> ''اقبال پر درجنوں کتابیں اور ہزاروں مضامین لکھے گئے ہیں اور بے شمار تقریریں اس پر ہو چکی ہیں لیکن یہ سلسلہ نہ ختم ہوا ہے نہ ہوگا۔اقبال پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں محققانہ تصانیف بہت کم ہیں۔میرے نزدیک اقبال پر دو کتابیں نہایت بلیغ اور نہایت جامع ہیں۔ڈاکٹر یوسف حسین خان کی ''روح اقبال'' اور مولانا عبد السلام ندوی کی ''اقبال کامل'' ان دونوں کتابوں کو ملا کر پڑھیں تو اقبال کے کلام اور ان کی تعلیم کا کوئی پہلو ایسا نہیں دکھائی دیتا جو محتاج تشریح اور تشنہ تنقید باقی رہ گیا ہو۔''(۲)

اقبال کامل سے پہلے اقبالیات کا جو سرمایہ تھا مولانا عبدالسلام ندوی کو اس پر اضافے کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس میں انہوں نے بڑی کدوکاوش سے کام لیا جس کا ذکر انہوں نے اس طرح کیا ہے:

> ''ڈاکٹر صاحب کی شاعری اور فلسفہ پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس پر مجھ کو بہت کچھ

اضافہ کی ضرورت معلوم ہوئی اور اس کتاب میں میں نے جو کچھ دماغی کاوش کی ہے وہ صرف اسی حصے کے ساتھ تعلق رکھتی ہے جس کے لئے صرف اخذ و انتخاب کافی نہیں تھا بلکہ ڈاکٹر صاحب کے پورے کلام کے مطالعے کی ضرورت تھی۔ ڈاکٹر صاحب کا کلام اگرچہ زیادہ فلسفیانہ، صوفیانہ مذہبی، سیاسی اور قومی مسائل پر مشتمل ہے، لیکن یہ مسائل شاعرانہ طرز و اسلوب میں بیان کئے گئے ہیں، اس لئے کہ ان کی تمام حیثیتوں پر شاعرانہ حیثیت کو تقدم حاصل ہے اور ہم کو اس موقع پر اسی حیثیت کو پیش نظر رکھنا چاہئے، لیکن ڈاکٹر صاحب پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں ان کی شاعرانہ حیثیت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اور انہوں نے جن شاعرانہ حقائق و مسائل کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں، ان کی توضیح کے لئے جو مثالیں ان کے کلام سے پیش کی گئی ہیں، ان میں شاعری بہت کم پائی جاتی ہے۔ خود ڈاکٹر صاحب شاعری سے برأت ظاہر کرتے ہیں اور غزل گو شاعر بننے سے تو ان کو شدت سے انکار ہے، اس لئے دوسرے لوگوں نے بھی ان کی مجددانہ، مصلحانہ اور فلسفیانہ حیثیت کو سامنے رکھا ہے اور ان کی شاعرانہ حیثیت کو نمایاں کیا ہے، لیکن میرے نزدیک ان کا کلام خشک فلسفیانہ مسائل کا مجموعہ ہے۔ یعنی وہ صرف ناظم نہیں ہیں بلکہ ایک قادرالکلام شاعر ہیں، اس لئے میں نے فلسفیانہ ،صوفیانہ اور سیاسی مسائل سے پہلے ان کی ذات کو صرف ایک شاعر کی حیثیت سے پیش نظر رکھا ہے اور مختلف عنوانات میں ان کی شاعرانہ حیثیت کو زیادہ مکمل صورت میں نمایاں کیا ہے۔ فلسفیانہ اور صوفیانہ حقائق و مسائل پر بھی جو کچھ لکھا ہے اس میں بھی اسی حیثیت کو سامنے رکھا اور زیادہ تر ان کی غزلیات، قطعات اور نظموں سے ایسی مثالیں پیش کی ہیں جن میں شاعری اور فلسفہ دونوں کا خوش گوار امتزاج موجود ہے۔''(۳)

یہاں ایک دو اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں جس سے اندازہ ہو سکے کہ اقبال کے

مطالعہ میں مولانا عبدالسلام ندوی کا اسلوب کیا ہے اور کس نوع سے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ وہ خودی کی تعریف وتشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خودی سے فخر وغرور مراد نہیں بلکہ اس سے استقلال ذاتی مراد ہے جو ہر مخلوق کے علم وعمل کو ایک مخصوص دائرے میں نمایاں کرتا ہے۔ اس کی ذات وصفات کی بود ونمود کے مظاہر متعین کرتا ہے اور اس کے نشوونما اور بالیدگی کے سامان فراہم کرتا ہے۔ اس لئے وہ جوہر ہے عرض نہیں۔ آفتاب ہے آفتاب کا سایہ نہیں۔ متحرک ہے ساکن نہیں۔ غرض وہ حقیقی زندگی ہے اور زندگی کی تمام لذتیں اس کے استحکام، اس کی توسیع اور اس کے اثبات سے وابستہ ہیں۔''(۴)

پھر اقبال کے فلسفہ خودی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان کے فلسفہ خودی کے تمام اساسی مضامین درحقیقت قرآن مجید سے ماخوذ ہیں اور قرآن مجید میں فضیلت انسان، تسخیر فطرت، عزم واستقلال، جرأت وشجاعت، فتح ونصرت، حمیت وغیرت اور قدرت واختیار پر بکثرت آیتیں موجود ہیں اور انہیں آیتوں نے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو خودی یعنی جلال وجمال دونوں کا بہترین مجموعہ بنادیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ تمام مضامین قرآن مجید ہی سے لئے ہیں۔'' (۵)

اقبال کامل سے پہلے اقبال پر جو کچھ لکھا گیا تھا اس میں ان کے کلام پر تنقید نہیں محض تحسین ہی تحسین تھی۔ اس لئے انہوں نے لکھا کہ

''چوں کہ کسی نے ان کی غلطیوں اور خامیوں کو تفصیل سے نہیں دکھایا ہے، اس لئے ہم خود اس ناگوار فرض کو ادا کرتے ہیں۔''(۶)

چنانچہ مولانا نے کلام اقبال میں تذکیروتانیث ،محاوروں وغیرہ کے غلط استعمال کی نشاندہی بھی کی۔ واقعہ یہ ہے کہ اقبال کے فلسفہ شاعری اور فلسفیانہ افکار کی توضیح وتفہیم میں مولانا عبدالسلام ندوی نے یہی انداز اختیار کیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اقبال کامل حیات اقبال کے ساتھ

فکراقبال کی تفہیم کا خوب صورت ذریعہ بنی اور بلاشبہ مصنف نے اس میں بڑی دیدہ ریزی اور کدو کاوش سے کام لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبال کامل ذخیرہ اقبالیات میں سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔ اب تک اس کے متعدد ایڈیشن طبع ہو کر اقبال کے شیدائیوں اور نقادوں سے حسن قبول کی سند پا چکے ہیں۔

اس کتاب کے علاوہ مولانا عبدالسلام ندوی نے اقبال کے فلسفہ خودی پر ایک طویل مقالہ لکھا ہے جو ماہنامہ معارف اعظم گڑھ کے آٹھ شماروں میں شائع ہوا۔ اسے ہم دانائے راز کے فلسفہ خودی کا پہلا بھر پور مطالعہ وتجزیہ قرار دے سکتے ہیں۔ اسے کتابی صورت میں شائع کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا عبدالسلام ندوی نے کلیات اقبال مرتبہ عبدالرزاق پر بھی تبصرہ کیا ہے۔ واضح رہے کہ یہ کلیات علامہ اقبال کی حیات ۱۹۲۵ء میں مرتب ہوا اور مولانا عبدالسلام ندوی نے ۱۹۲۶ء میں تقریظ لکھی۔

مولانا عبدالسلام ندوی کے حصے میں علامہ اقبال کی دو خواہشوں کی تکمیل کی سعادت بھی آئی۔ علامہ اقبال نے ایک خط میں مولانا سید سلیمان ندوی کو لکھا ہے کہ:

> ''اس وقت سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ فقہ اسلامی کی ایک مفصل تاریخ لکھی جائے اس مبحث پر مصر میں ایک چھوٹی سی کتاب شائع ہوئی تھی جو میری نظر سے گذری ہے مگر افسوس ہے کہ بہت مختصر ہے اور جن مسائل پر بحث کی ضرورت ہے مصنف نے ان کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اگر مولانا شبلی زندہ ہوتے تو میں ان سے ایسی کتاب لکھنے کی درخواست کرتا۔ موجودہ صورت میں سوائے آپ کے اس کام کو کون کرے گا۔''(۷)

اسی طرح ایک اور خط میں لکھتے ہیں:

> ''دارالمصنّفین کی طرف سے ہندوستان کے حکمائے اسلام پر ایک کتاب نکلنی چاہئے، اس کی سخت ضرورت ہے۔ عام طور پر یورپ میں سمجھا جاتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی کوئی فلسفیانہ روایات نہیں۔''(۸)

مولانا سید سلیمان ندوی نے یہ کتابیں تو نہیں لکھیں۔ البتہ مولانا عبدالسلام ندوی کے قلم سے ان دونوں موضوعات پر کتابیں نکلیں۔ تاریخ فقہ اسلامی پر کتاب لکھنے کا اقبال کا مشورہ ۱۸/مارچ ۱۹۲۶ء کا ہے، مولانا عبدالسلام ندوی نے محمد الخضری کی کتاب تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ ''تاریخ فقہ اسلامی'' کے نام سے کیا جسے دارالمصنّفین نے ۱۹۲۷ء میں شائع کیا۔ اسی طرح ''حکمائے اسلام'' کے لکھنے کا مشورہ علامہ اقبال نے سید صاحب کو ۴/ستمبر ۱۹۳۳ء کو دیا تھا۔ مولانا عبدالسلام ندوی نے ''حکمائے اسلام'' کے نام سے دو جلدوں میں کتاب لکھی۔ اس کی پہلی جلد ۱۹۵۳ء میں اور دوسری جلد ۱۹۵۶ء میں دارالمصنّفین اعظم گڑھ سے شائع ہوئی۔

مولانا عبدالسلام ندوی نے ان دونوں کتابوں کے مقدموں میں یہ صراحت تو نہیں کی ہے کہ یہ کتابیں علامہ اقبال کی خواہش پر لکھی گئیں مگر چونکہ دارالمصنّفین کے علمی منصوبے مولانا سید سلیمان ندوی بنایا کرتے تھے، اس لئے قیاس ہوتا ہے کہ ان دونوں کتابوں کی تصنیف کے منصوبے علامہ اقبال کی خواہش ہی پر بنائے گئے۔ البتہ سید صاحب کے ایک شاگرد سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے صراحت کی ہے کہ مذکورہ دونوں کتابیں علامہ اقبال کی خواہش ہی پر لکھی گئیں۔(۹)

انقلاب روس کے بعد وہاں کے مسلمانوں کے حالات بلکہ ان کی صحیح صورت حال سے بہت کم آگاہی تھی۔ مولانا عبدالسلام ندوی نے اس خیال کے پیش نظر روسی مسلمانوں کے حالات پر ماہنامہ معارف میں ایک سلسلہ مضامین شروع کیا جو چھ قسطوں میں پورا ہوا۔ اس مضمون کی ابتدائی تین قسطیں ''مسلمانان روس'' کے عنوان سے شائع ہوئیں۔(۱۰) جبکہ آخری تین قسطیں 'اسلام اور نصرانیت کی کشمکش روس میں' کے عنوان سے اپریل- جولائی -اگست ۱۹۱۸ء کے شماروں میں چھپیں۔ علامہ اقبال کو یہ مضامین پسند آئے تو انہوں نے سید صاحب سے اسے رسالہ کی صورت میں علاحدہ شائع کرنے کی خواہش کی۔(۱۱) مگر ان کی یہ خواہش اب تک پوری نہ ہوسکی۔ کاش دارالمصنّفین اب بھی اسے کتابی صورت میں شائع کر دیتا تو علامہ

اقبال کی خواہش کی تکمیل ہو جاتی۔

حوالے

(۱) نقوش لاہور مکاتیب نمبر حصہ دوم ص ۹۳
(۲) فکر اقبال ص ۱۴، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ۱۹۷۷ء
(۳) اقبال کامل ص ۳-۴
(۴) اقبال کامل ص ۲۵۴
(۵) اقبال کامل ص ۳۱۷
(۶) اقبال کامل ص ۲۴۹
(۷) مشاہیر کے خطوط۔ص ۱۲۴۔ مطبوعہ دارالمصنّفین اعظم گڑھ
(۸) مشاہیر کے خطوط۔ص ۱۳۴
(۹) ماہ نامہ معارف سلیمان نمبر ص ۰۰۰
(۱۰) ماہنامہ معارف۔جولائی تا ستمبر ۱۹۱۸ء
(۱۱) مشاہیر کے خطوط۔ص ۱۰۶

اقبال اور اقبال سہیل

اقبال احمد خاں سہیل (۷ا/جنوری ۱۸۸۶–۷/نومبر ۱۹۵۵ء) دبستان شبلی کے سب سے نامور شاعر تھے۔ زبان وبیان پر انہیں بے پناہ قدرت حاصل تھی۔ اردو وفارسی میں جس موضوع پر جب چاہتے فی البدیہہ شعر کہہ دیتے۔ خاص طور پر قصیدہ نگاری میں انہیں یدطولیٰ حاصل تھی۔ وہ علامہ شبلی کے عزیز شاگرد اور شعر وادب میں ان کی روایتوں کے امین تھے۔ علامہ شبلی نے اردو میں اخلاقی اور سیاسی نظم نگاری کا آغاز کیا۔ ان کی اس روایت کو سہیل صاحب نے مزید ترقیات سے بارآور کیا۔ نعت نگاری کے میدان میں ان کی نعت ''موج کوثر'' کو سنگ میل کا درجہ حاصل ہے۔ اقبال سہیل کی عظمت شاعری کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی فارسی شاعری کی داد ملک الشعراء افغانستان سرور خاں گویا نے دی ہے۔

اقبال سے اقبال سہیل کی عقیدت کا کہیں ذکر تو نہیں ملتا البتہ مولانا سید حسین احمد مدنی سے قوم وملت کے سلسلہ میں اقبال سے جو تنازعہ ہوا تھا اس سلسلہ میں ان کا ذکر ملتا ہے۔ مولانا سید حسین احمد مدنی نے کہا تھا کہ قومیں وطن سے بنتی ہیں۔ علامہ اقبال کو یہ بات ناگوار گذری چنانچہ انہوں نے کہا کہ

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ
زدیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود برسر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر زمقام محمد عربی است

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

اقبال سہیل نے اس کا منظوم جواب لکھا جو یہ ہے:

معاندے کہ بہ شیخ الحدیث خردہ گرفت — سبک ز چشم خرد زیں سباب بے سببی است
بیان او ہمہ تخئیل وبحث در تفسیر — زبان او عجمی وکلام درعربی است
زبان بہ طعنہ پاکاں کشود وآ گہ نے — کہ فرق ملت وقوم از لطائف ادبی است
کہ گفت برسر منبر کہ ملت از وطن است — دروغ گوئی وایراد ایں چہ بوالعجبی است
درست گفت محدث کہ قوم از وطن است — کہ مستفاد زفرمودہ خدا ونبی است
خدائے گفت بہ قرآں لکل قوم ھاد — ولے بہ نکتہ کجا پے برو کسے کہ غبی است
تفاوتیست فراواں میان ملت و قوم — یکے زکیش وگر کشوری است یا نسبی است
بہ ملت ارچہ براہیمیست سرور ما — ولے بہ قوم حجازی بہ دود مطلبی است
کسے کے ملت اسلام نور سینہ او است — برادر است اگر زنگی است و در حلبی است
ولے بہ ہم وطناں در مصاف آزادی — مجاہدانہ تعاون جہاد حق طلبی است
سلوک رفق ومدارا بہ جار ذی القربیٰ — عمل بہ حکم الٰہی واتباع نبی است
محبت وطن است از شعائر ایماں — ہمیں حدیث پیمبر فدتیہ بابی است
بہ قوم خویش خطاب پیمبراں بنگر — پر از حکایت ''یا قوم'' مصحف عربی است
بلندتر بود از قوم ، رتبہ ملت — کہ حبل دین قوی تر ز رشتہ نسبی است
زقوم خویش شمرد اہل کفر را بہ احد — رسول پاک کہ نامش محمد عربی است
رموز حکمت ایماں زفلسفی جستن — تلاش لذت عرفاں ز بادہ عنبی است
خودت نہ دیدن وبادیدہ ور در افتادن — دو گونہ شیوہ بوجہلی است وبولہبی است
خموشی از سخن نا سزا دزیدہ تر است — کہ ہرزہ لاف زدن خیرگی وبے ادبی است
بہ دیوبند گر اگر نجات می طلبی — کہ دیو نفس سلح شور دانش تو صبی است

بگیر راہ حسین احمد ارخد خواہی

کہ وارث است نبی راو ہم زآل نبی است

یہ جواب کلیات سہیل میں درج ہے۔ مرتب کلیات سہیل نے لکھا ہے کہ اس جواب کو اقبال نے ملاحظہ فرما کر کہا تھا کہ ''مجھے خوشی ہے کہ میرا جواب دینے والا بھی اقبال ہی ہے۔'' (۱)

حوالے

(۱) کلیات سہیل ص ۳۰۷

اقبال اور مولانا عبدالماجد دریابادی

مولانا عبدالماجد دریابادی اردو کے مایہ ناز ادیب، انشا پرداز اور نقاد تھے، انگریزی ترجمہ وتفسیر قرآن ان کا ایک عظیم الشان کارنامہ ہے۔ان کا مطالعہ بے حد وسیع اور متنوع تھا مختلف علوم وفنون خاص طور پر انگریزی ادبیات اور فکر وفلسفہ پر ان کی بڑی گہری نگاہ تھی۔ان کے قلم سے متعدد کتابیں اور ہزارہا مضامین ومقالات نکلے ان کا علمی ذخیرہ بے حد وقیع ہے۔ اگر چہ ان کا ایک خاص اسلوب نگارش تھا تاہم اصلاً وہ دبستان شبلی ہی کے ایک اہل قلم تھے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ

> ''ان سطور کے بے علمے راقم کو اردو لکھنا پڑھنا تھوڑا بہت جو کچھ بھی آیا وہ بڑی اور بہت بڑی حد تک فیض انہیں حضرت شبلی کا ہے۔فیض الندوہ کے اڈیٹر کا موازنہ اور شعرالعجم کے فن کار کا اور الفاروق، الکلام، سیرۃ النبی کے مصنف کا،اس ذات کا جس میں بیک وقت ایک شاعر وسخن سنج، ایک مؤرخ ومحقق ایک مبصر وناقد، ایک عالم ومعلم، ایک ادیب وانشا پرداز، ایک مصنف واہل قلم کے کمالات جمع تھے۔(۱)

علامہ شبلی کی وفات کے بعد جب دارالمصنفین کی مجلس انتظامیہ کا انتخاب عمل میں آیا تو مولانا دریابادی اس کے ایک رکن نامزد ہوئے بعد ازاں انہیں مجلس انتظامیہ کی صدارت تفویض کی گئی جس پر وہ آخری سانس تک فائز رہے۔ پھر ماہنامہ معارف کی مجلس ادارت کا انہیں رکن منتخب کیا گیا۔مولانا سید سلیمان ندوی وفد خلافت کے رکن منتخب ہوکر جب انگلینڈ روانہ ہوئے تو معارف کی ادارت کے فرائض انہیں کو سونپ کر گئے تھے گویا وہ کلی طور پر دبستان

شبلی ہی کے فرد رہے اور اسی گہری وابستگی اور ذہنی ہم آہنگی کے سبب انہیں اس کتاب میں بھی شامل کیا گیا ہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی کو ابتداء میں اقبال سے عقیدت نہ تھی بلکہ مخالفین اقبال کی طرح وہ بھی ان کی زبان و بیان پر تنقید کرتے تھے انہوں نے خود لکھا ہے کہ

''حسرت موہانی کے ماہ نامہ اردوئے معلیٰ میں ان کی غزلوں پر کبھی کبھی تنقید چھپتی تھی اور وہ بھی زیادہ تر زبان کے اعتبار اور معیار سے، بچپن کا زمانہ کس درجہ جہالت و نادانی کا ہوتا ہے وہ تنقیدیں بڑے شوق سے پڑھ کر یاد کر لیتا اور ناواقفوں کے سامنے فخر و پندار سے انہیں اپنی جانب منسوب کر کے اقبال پر اعتراض کیا کرتا تھا گویا میں اتنا بڑا نقاد و سخن فہم ہوں کہ اقبال تک کو خاطر میں نہیں لاتا اور ان کی دھجیاں اڑا دیتا ہوں۔

جب سن اور آیا، اردو شعر سمجھنے کی تھوڑی بہت تمیز آ چلی وہ بھی زیادہ تر مولانا شبلی اور حضرت اکبر الٰہ آبادی کے فیض صحبت سے تو اپنی اس طفلانہ عادت پر خود بڑی نفریں کی اور اقبال کا کلام بڑے لطف و عقیدت سے پڑھنے لگا۔(۲)

اس قلب ماہیت میں اگرچہ شبلی و اکبر کا فیضان شامل ہے لیکن دونوں کے ربط و تعلقات بھی کم معنی خیز نہیں اس لئے کہ ۱۹۱۲ء میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا لکھنؤ میں اجلاس ہوا اور اقبال اس میں شرکت کے لئے تشریف لائے تو مولانا دریابادی سے ان کی ملاقات ہوئی بعد ازاں ایک اور ملاقات حیدرآباد میں ہوئی، دونوں ایک دوسرے کے قریب آئے ایک دوسرے کے علم و فضل کا اندازہ ہوا اور خط و کتابت کا سلسلہ قائم ہوا جو اخیر تک قائم رہا علامہ اقبال نے جو خطوط مولانا کو لکھے ہیں وہ کلیات مکاتیب اقبال میں درج ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے بڑے قدرداں تھے اور کئی امور میں ایک دوسرے سے افادہ و استفادہ بھی کیا ہے غرض مولانا دریابادی اقبال کے قائل ہوتے چلے گئے اور نہ صرف وہ قائل ہوتے گئے بلکہ فکر اقبال کی تفہیم و تشریح اور ترجمانی کا بھی فریضہ انجام دیتے رہے واقعہ یہ ہے کہ وہ شیفتگی اقبال

میں دبستان شبلی کے کسی فرد سے کم رتبہ نہیں ہیں، انہوں نے اپنے رسائل سچ، صدق اور صدق جدید وغیرہ میں اقبال کی شاعری اور فکر وفلسفہ پر نہ صرف خود مضامین لکھے ہیں بلکہ ملک کے دیگر اہل قلم کی نگارشات بھی اہتمام سے شائع کی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ فکر اقبال سے حد درجہ متاثر تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اقبالیات سے متعلق چند کتابوں پر تبصرے کئے ہیں جن کے نام یہ ہیں:

۱- اقبال کا تصور زماں ومکاں	ڈاکٹر رضی الدین
۲- اقبال کا فلسفہ خودی	ڈاکٹر میر ولی الدین
۳- رموز اقبال	// //
۴- اقبال کامل	مولانا عبدالسلام ندوی

ان کے علاوہ خود اقبال کے مجموعہ ضرب کلیم اور پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق پر بھی انہوں نے تبصرہ کیا ہے ضرب کلیم پر ان کا تبصرہ قدرے طویل ہے اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

> اقبال مسلمانوں کی فلاح کے کلیم، اقبال کا سن جوں جوں پختگی کی طرف بڑھتا جاتا ہے حکمت وشاعری پختہ سے پختہ تر ہوتی جارہی ہے۔ خام تو کبھی بھی نہ تھی، شاعری سے مراد رسمی غزل گوئی اور قافیہ پیمائی نہیں، مراد وہ شاعری ہے جو رومی کی تھی، سنائی کی تھی، وہ شاعری نہیں جو حق سے ہٹاتی، بھگاتی ہے، وہ شاعری ہے جو حق کی طرف بلاتی لاتی ہے۔ (۳)

پھر اقبال کی شاعری پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں

> اقبال کا کلام بھی مسلسل باران رحمت سے کم نہیں کچھ پتہ ہی نہیں چلتا کہ بہتر کسے کہئے اور کسے نہ کہئے اور اگر کسی کو اعلی وبلند ٹھہرا بھی لیجئے تو اس کے مقابل میں آخر وادنی وپست کسے ٹھہرایئے؟ جب کلام سامنے آگیا دل نے کہا یہی خوب اور خوب تر ہے، جب کسی دوسرے کلام پر نظر پڑی تو اب قوت فیصلہ مغلوب، نگاہ انتخاب

حیران، یہ اور بات ہے کہ انتخاب کی حیثیتیں ہی شروع سے مختلف ٹھہرا لیجئے اور اسی لحاظ سے فیصلہ کر دیجئے کہ شوخی و برجستگی فلاں میں زیادہ ہے، عمق فلاں میں بڑھا ہوا ہے، درد و گداز میں فلاں کا نمبر اول ہے، وقس علی ھذا۔ (۴)

خاص ضرب کلیم کے بارے میں لکھا ہے کہ

ضرب کلیم کا وصف امتیازی حکیمانہ ژرف نگاہی ہے، ہر عنوان دقت نظر کا ایک مرقع، ہر صفحہ نکتہ سنجیوں کا ایک گلدستہ، بات وہی ساڑھے تیرہ سو برس پرانی بلکہ اس سے بھی ہزاروں سال قبل کی بات کہنے کے ڈھنگ نئے نئے اور عنوانات جدا جدا، بات میں کشش ایک تو ہر فطرت سلیم والے کے لئے ذاتی موجود اور پھر کہنے والے کی زبان میں مذہبی کتاب قدرۃً دلچسپ اسی قدر ہوگی کہ ایک بار شروع کر کے ختم کرنے کو جی نہ چاہے اور پڑھتے پڑھتے جب آخری صفحہ پر پہونچے تو دل میں حسرت ہی رہ جائے کہ محفل برخاست اتنی جلدی کیوں ہوگئی! وہی روئے گل کے سیر ہو کر نہ دیکھنے اور موسم بہار کے ختم ہو جانے کا پرانا دکھڑا۔'' (۵)

ضرب کلیم پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور آئندہ بھی لکھا جاتا رہے گا مگر مولانا دریابادی کی مذکورہ تحریری بالکل نرالی ہے۔ جذباتی ہونے کے باوجود حقائق کی کس قدر صحیح عکاسی ہے اس کی مثال مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔

اس کے بعد مولانا دریابادی نے مختلف مقامات سے اشعار نقل کر کے ان کی ایسی عمدہ تشریح کی ہے کہ کوئی اہل دل داد دئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

۱۹۷۷ء میں اقبال اکیڈمی حیدرآباد نے مولانا دریابادی کی اقبالیاتی تحریروں کا ایک انتخاب ''اقبالیات ماجد'' کے نام سے شائع کیا ہے اس میں اقبال کی شخصیت اور شاعری اور ان کے فکر و فن پر بڑی عمدہ بحثیں شامل ہیں خاص طور پر ان کی بعض نظموں کا بڑا عمدہ تجزیہ شامل ہے یہاں اس مجموعہ کے حوالہ سے چند اہم امور کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اس کا آغاز یوم اقبال کے ایک پیغام سے ہوا ہے جو اصلاً مولانا مرحوم کا ایک خط ہے

جوانہوں نے اسٹڈی سرکل کل ہند مجلس تعمیر ملت حیدرآباد کے نام لکھا تھا۔ جو یہ ہے:

''حضرت اقبال مسلمانوں کے لیے خصوصاً اور سارے ملک کے لیے عموماً ایک گنج بے بہا تھے، اگر ملک وملت نے ان کے پیام بیداری اور خودآ گاہی کوسن لیا اور سمجھ لیا ہوتا تو بس کیا تھا۔ اب خیر اتنا ہی غنیمت ہے کہ ان کا پیام دہرایا جاتا اور ان کی یاد منائی جاتی رہے۔

جس خودی کو انھوں نے بار بار ابھارا ہے اسی کا نام مذہب کی زبان میں عبدیت یا روحانی خودداری ہے اور جس نے اس پیام کو سمجھ لیا اس نے اقبال کو سب کچھ سمجھ لیا۔

مبارک ہے آپ کی انجمن جو اقبال فہمی کا کام جاری رکھے ہوئے ہے''۔(۶)

''اقبالیات ماجد'' میں اس طرح کے کئی اور پیغامات بھی شامل ہیں جو اقبالیات ماجد کو سمجھنے کے لیے کلید کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ان کے علاوہ شکوہ و جواب شکوہ، شیشہ اور موتی، پس چہ باید کرد، دانش حاضر، جاوید نامہ ارمغان حجاز کے تعارف وتجزیئے کے ساتھ ایک مقالہ نٹشے، رومی اور اقبال بھی شامل ہے۔

شکوہ کے بارے میں مولانا دریابادی کا خیال ہے کہ اقبال کی اردو شاعری کی شہرت و عظمت کی بنیاد یہی شکوہ ہے، ان کا یہ بھی خیال ہے کہ شکوہ کا نام ہی شکوہ ہے مضمون وہی حمد و مناجات کا ہے جس کے اندر ہر طنز میں عبدیت کی چاشنی اور ہر گلہ میں توحید پرستی کی شیرینی موجود ہے۔

شکوہ پر ایک زمانہ میں بڑی لے دی مچی تھی مولانا دریابادی نے اس کا بڑا خوبصورت جواب دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''جوزبان خوگرتھی حمد وثنا، شکر و مناجات کی وہ آخر ایک بار گلہ وشکوہ پر کھلی یا یوں کہئے کہ کھلوائی گئی، آقا کا کرم جب خود ناز برداری پر آمادہ ہوجائے تو کون بندہ ہے جو نیاز کے فرش زمین کو چھوڑ کر ناز کی فضا میں اڑنے نہ لگے۔ عبدیت کی انتہا میں سنتے ہیں گریہ یعقوبؑ کے ساتھ ساتھ ایک منزل تبسم سلیمانی کی بھی تو آتی ہے''۔(۷)

چونکہ لوگ عموماً گریہ یعقوبی پسند کرتے ہیں انھیں تبسم سلیمانی سے کم سروکار ہوتا ہے اس لیے اقبال کو جواب شکوہ لکھنا پڑا۔ مولانا دریابادی اس کے بارہ میں لکھتے ہیں:

''حکیم ملت کہ ملت کا نباض تھا، قوم کے رگ و ریشہ سے واقف تھا، بھانپ گیا جو آب حیات کا قطرہ تھا وہ مشینوں اور گلاسفوں تک پہنچتے پہنچتے زہر کی بوند بن گیا، معاً پلٹا اور شکوہ کے جواب میں ''جواب شکوہ'' کہہ ڈالا، جوش وخروش وہی، زور بیان وہی، البتہ حقائق زاید حقیقتوں کی کھلی ہوئی اور صداقتوں کا اظہار فاش و برملا جواب کا حاصل یہ ہے کہ وہ وعدے تو مسلموں اور پرستاران توحید کے لیے تھے تم مسلم و موحد کب؟ نظر قال پر نہیں اپنے حال پر کرو، اپنے اعمال پر کرو''۔(۸)

مولانا دریابادی نے آخر میں شکوہ اور جواب شکوہ کا تجزیہ اس طرح کیا ہے۔

''عوام اپنے جذبات کی ترجمانی شکوہ میں زیادہ پاتے ہیں اس لیے پست مذاق طبقہ آج تک شکوہ پسند ہی چلا آرہا ہے حالانکہ جواب شکوہ کی شکوہ سے کہیں بلند ہے۔ شکوہ والا اقبال ایک صاحب حال سالک ہے جواب شکوہ والا اقبال صاحب مقام عارف ہے۔ پہلے کے قدم اقلیم قلب کی وادیوں میں دوسرے کی نگاہ فضائے روح کی بلندیوں میں۔''(۹)

ارمغان حجاز علامہ اقبال کا وہ مجموعہ کلام ہے جو ان کی وفات کے بعد شائع ہوا۔ مولانا دریابادی نے اس پر ایک قدرے طویل تبصرہ کیا ہے چونکہ اس کا بیشتر حصہ فارسی میں ہے اس لیے فاضل مبصر نے کثرت سے فارسی اشعار نقل کر کے ان کی تشریح کی ہے آخر میں اردو کلام کی مقبولیت بیان کی ہے، مولانا دریابادی نے ارمغان حجاز کو اقبال کے بہترین کلام کا مجموعہ قرار دیا ہے۔

''اقبالیات ماجد'' میں مولانا دریابادی کے نام اقبال کے چند خطوط بھی شامل ہیں چونکہ ان سے دونوں کے گہرے روابط کا اندازہ ہوتا ہے اس لیے انھیں یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

لاہور

۶ رجنوری ۱۹۲۲ء

مخدومی، السلام علیکم

نوازش نامے کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ آپ کے مختصر الفاظ نے اس موقع پر میرے جذبات کی نہایت صحیح ترجمانی کی ہے۔ حالات مختلف ہوتے تو میرا طریقِ عمل بھی اس بارے میں مختلف ہوتا۔ لیکن یہ بات دنیا کو عنقریب معلوم ہو جائے گی کہ اقبال کلمۂ حق کہنے سے باز نہیں رہ سکتا۔ ہاں کھلی جنگ اس کی فطرت کے خلاف ہے۔

اسرارِ خودی کا ریویو دیکھنے کا منتظر ہوں۔ سی، آر، داس کا خطبہ صدارت کانگریس آپ نے دیکھا ہوگا۔ اس نے اسی روحانی اُصول کو سیاسی رنگ میں پیش کیا ہے۔

امید کہ بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

لاہور ۱۷ راپریل ۱۹۲۲ء

مخدومی، السلام علیکم

والا نامہ مل گیا ہے، جس کے لئے سراپا سپاس ہوں، مجھے آپ سے قلبی تعلق ہے، اس واسطے ہمیشہ آپ کے خط سے مسرت ہوتی ہے۔ ''پیام مشرق'' اپریل کے آخر تک شائع ہو جائے گا۔ چند ضروری نظمیں ذہن میں تھیں لیکن افسوس ہے انہیں ختم نہ کر سکا۔ فکر روزی قاتلِ روح ہے۔ یکسوئی نصیب نہیں۔ ان سب باتوں کے علاوہ والد مکرم کا اصرار تھا کہ جتنا ہو چکا ہے اسے شائع کر دیا جائے۔ آپ کے نوجوان دوست کے تبصرہ پیام مشرق کو مَیں شوق سے پڑھوں گا۔ میرے ایک سکھ دوست اسرار خودی کا بھگوت گیتا سے مقابلہ کر رہے ہیں ان کی میرے کلام کی مقبولیت محض فضلِ ایزدی ہے۔ ورنہ اپنے آپ میں کوئی ہنر نہیں دیکھتا اور اعمالِ صالحہ کی شرط بھی مفقود ہے۔

مولانا کی کتاب فیہ ما فیہ کو آپ خود ایڈٹ کریں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یورپ

میں وسائل ایڈٹ کرنے کے بہت زیادہ ہیں لیکن آخر ہندی مسلمانوں کو بھی تو یہ کام کچھ نہ کچھ شروع کرنا ہے۔ میری رائے میں آپ یہ ضروری کام خود کریں۔ بعد میں یورپی اڈیشن بھی نکل آئے گی۔ جوہر کے نعتیہ کلام کو میں نے بھی خاص طور پر نوٹ کیا ہے۔ بلکہ میں تو ان کے روحانی انقلاب کو ایک مدت سے دیکھ رہا ہوں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص: محمد اقبال

لاہور

۱۱/اکتوبر ۱۹۲۳ء

مخدومی، السلام علیکم

''پیامِ مشرق'' میں چند اشعار ''بوئے گل'' پر ہیں جو آپ کے ملاحظہ سے گذرے ہوں گے۔ آخری شعر ہے۔

زندانی کہ ز پائش کشادہ اند

آہے گذاشت است کہ بو نام دادہ اند

حال میں جامعہ ملیہ علی گڈھ کے رسالے میں ''پیامِ مشرق'' پر ریویو کرتے ہوئے مولانا اسلم جیراجپوری آہے ''گذاشت است'' پر اعتراض کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ ترکیب مکروہ معلوم ہوتی ہے۔ یہی مطلب کسی اور طرح ادا کرنا چاہئے۔ میں آپ کا خیال معلوم کرنا چاہتا ہوں، مولانا سید سلیمان ندوی صاحب سے بھی استصواب کروں گا۔ چونکہ دوسری اڈیشن جلد نکالنے کا ارادہ ہے۔ اس واسطے اگر آپ کا جواب جلد مل جائے تو بہتر ہو۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ مخلص

محمد اقبال-لاہور

مکرمی- پیام امن کے لئے شکر گذار ہوں۔ آپ کا تبصرہ بجائے خود ایک نہایت مفید

رسالہ ہے۔امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔ مخلص

محمد اقبال

۳رنومبر۱۹۲۳ء

نوٹ:-مکتوب الیہ نے ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ مع اپنے مفصل تبصرہ کے شائع کیا تھا۔

لاہور

۲۶رنومبر۱۹۲۴ء

مخدومی،السلام علیکم

ابھی ایک عریضہ ڈال چکا ہوں کہ آپ صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں فوراً خط لکھیں کہ وہ تجویز معلومہ کورٹ کے سامنے پیش نہ کریں۔کم از کم مجھ سے ملے بغیر پیش نہ کریں۔ والسلام۔تاکید مزید عرض کرتا ہوں۔

مخلص:محمد اقبال

لاہور

۲۲رمارچ۱۹۲۵ء

مخدومی'السلام علیکم

والا نامہ مل گیا ہے جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔مگر آپ کا نوٹ پڑھ کر مجھے بہت تعجب ہوا۔معلوم ہوتا ہے عدیم الفرصتی کی وجہ سے آپ نے وہ مضمون بہت سرسری نظر سے دیکھا ہے۔بہرحال آپ کا خط زیرِ نظر رکھوں گا۔مضمون کا مسودہ ارسال فرمایئے۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ مخلص محمد اقبال

نوٹ:-اقبال نے اپنے ایک انگریزی مقالہ''اجتہاد'' پر رائے طلب کی تھی اور جو رائے دی گئی خاصی

مخالفانہ تھی۔

۵ر جنوری ۱۹۳۰ء

مخدومی۔السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ کل موصول ہوا جس کے لئے شکریہ قبول فرمایئے۔

میں بھی ایک ہفتہ کے لئے علی گڑھ گیا تھا وہاں ایک نئی زندگی کا آغاز معلوم ہوتا ہے۔ سید راس مسعود بہت مستعد آدمی معلوم ہوتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ ان کی مساعی سے یونیورسٹی کی زندگی میں ایک خوشگوار تبدیلی ہوگی۔آپ بھی کبھی کبھی وہاں جایا کریں اور مذہبی مضامین پر طالب علموں سے گفتگو بھی کیا کریں۔

نتائج بہت اچھے ہوں گے۔ باوجود بہت سے مخالف قوتوں کے جو ہندوستان میں مذہب کے خلاف اور بالخصوص اسلام کے خلاف اس وقت عمل کر رہی ہیں۔مسلمان جوانوں کے دل میں اسلام ہی کیلئے تڑپ ہے لیکن افسوس ہے کوئی آدمی ہم میں نہیں جس کی زندگی قلوب پر مؤثر ہو۔

بانگ درا کے تیسری ایڈیشن، جس کی تعداد دس ہزار ہوگی۔چھپ رہی ہے غالبًا دو ماہ تک تیار ہو جائے گی۔

لاہور کانگریس نے آزادیٔ کامل کا اعلان کر دیا ہے۔ جماعتی اختلافات کا ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہوا دیکھیں ہندوؤں کا لبرل گروہ ان اختلافات کا کیا فیصلہ کرتا ہے۔مسلمانوں میں آزادی کیلئے ایک ولولہ موجود ہے، مگر

مشکل ایں نیست کہ بزم از سر ہنگامہ گذشت
مشکل ایں است کہ بے نُقل و ندیم اند ہمہ

مخلص محمد اقبال

لاہور

۲۷؍جولائی ۱۹۳۳ء

جناب مکرم - السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے جس کے لئے شکریہ قبول فرمایئے۔ میں بڑی خوشی سے ایڈریس لکھوں گا لیکن اسی دسمبر میں نہیں ہوسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو شاید میں ہندوستان میں نہ ہوں گا اور اگر ہوا تو ایک اور ایڈریس لکھنے کا وعدہ کر چکا ہوں۔ ہاں آئندہ سال اگر سید راس مسعود چاہیں تو میں حاضر ہوں۔

آپ نے اپنے اخبار میں میرے مضمون کا ذکر کیا ہے جو انگریزی اخباروں میں چھپا ہے۔ عرض یہ ہے کہ یہ اصل میں ایک انٹرویو تھا جو ہنگری کے ایک اخباری نامہ نگار کو دیا گیا تھا۔ اس نے بعض خاص سوالات کئے تھے۔ جن کے جواب دیئے گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں اس نے انٹرویو کو ایک مستقل مضمون کی صورت دے کر انگریزی اخبارات میں بھیج دیا اور بہت سی ضروری باتیں چھوڑ اگیا۔ شاید اس وجہ سے کہ اس کے مضمون کا ربط قائم رہے۔ تعجب ہے کہ لکھنؤ کے اخبار ہمدم میں کسی صاحب نے اس پر اعتراضات کئے ہیں جنہوں نے مضمون مذکور کے مقاصد کو ٹھیک طور پر نہیں سمجھا۔

آپ نے اپنے پہلے خط میں ''وطنیت'' کے اصول پر اسلام کے اصولِ اجتماعی کو ترجیح دینے میں مجھے امام العصر کہا ہے جس کے لئے میں آپ کا شکر گذار ہوں۔ ایک نیشنلسٹ اخبار جس کے چار ایڈیٹر ہیں اور چاروں مسلمان ہیں اور جس کا پہلا نمبر لاہور سے آج ہی نکلا ہے۔ لکھتا ہے کہ اقبال نے ''وطن یت'' کا عذر لنگ تراشا ہے۔ دیکھا مغربی کالجوں کے پڑھے ہوئے مسلمان نوجوان روحانی اعتبار سے کتنے فرومایہ ہیں ان کو معلوم نہیں کہ اسلامیت کیا ہے اور ''وطنیت'' کیا چیز ہے؟ ''وطنیت'' ان کے نزدیک لفظ وطن کا محض ایک مشتق ہے اور بس۔

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ محمد اقبال

مخدومی - آپ کا پوسٹ کارڈ ابھی ملا ہے۔ ''سچ'' کے دو نمبر بھی مل گئے تھے، جن کے

لئے شکر گزار ہوں۔ گذشتہ پانچ چار سال کے تجربے نے مجھے بہت دردمند کر دیا ہے اس لئے جلسوں میں میرے واسطے کوئی کشش باقی نہیں رہی۔ میں کہیں نہیں جارہا نہ پٹنہ نہ کانپور۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

والسلام

محمد اقبال-لاہور

۲۴ر ستمبر ۱۹۳۳ء

نوٹ: پٹنہ اور کانپور میں اس سال بہت اہم قومی اجتماعات ہو رہے تھے۔

مکرمی-السلام علیکم

جہاں تک مجھے معلوم ہے لفظ برزخ کا کوئی ترجمہ انگریزی زبان میں نہیں ہے بعض مترجمین قرآن نے لفظ Barrier لکھا ہے مگر یہ بھی درست نہیں معلوم ہوتا۔ غالباً وہ یہ سمجھتے ہیں کہ لفظ برزخ ایرانی لفظ ''پروک'' کا معرب ہے۔ مگر مجھے نہیں معلوم کہ قدیم ایرانیوں کے نزدیک ''پروک'' کا کیا مفہوم تھا۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں موت، برزخ، حشر ونشر وغیرہ Biological اصطلاحات ہیں اور ان کی حقیقت کچھ معلوم نہیں سوائے اس کے جو صوفیائے کرام نے اپنے مکاشفات کی بناء پر لکھی ہے۔ میری رائے میں تو برزخی زندگی کا ترجمہ 'Burzakh' کریں۔ لیکن حقیقت برزخ پر ایک مفصل نوٹ دینا ضروری ہے۔ اس نوٹ میں موت، حشر وغیرہ کی حقیقت بھی اسلامی نقطہ خیال سے واضح کرنی چاہیئے۔

والسلام

محمد اقبال ۱۹ر جون ۱۹۳۴ء

نوٹ:-مکتوب الیہ نے اپنے انگریزی ترجمۃ القرآن کے سلسلہ میں دریافت کیا تھا کہ لفظ برزخ کو انگریزی میں کیونکر منتقل کیا جائے۔

مخدومی- السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے جس کے لئے شکریہ قبول فرمائیے۔ میں خدا کے فضل و کرم سے اچھا ہوں۔صحت عامہ تو قریباً بحال ہوگئی ہے۔البتہ آواز میں ابھی کسر باقی ہے۔ یہاں کے کالجوں کے مسلمان طلبہ کی ایک جمعیت ہے۔انہوں نے ایک اپیل شائع کی تھی کہ اقبال کے لئے جمعہ کے روز مسجدوں میں دعا کی جائے۔اس اپیل سے اخباروں اوران کے ناظرین کو غلط فہمی ہوئی۔امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا اور ترجمۃ القرآن کا کام جاری ہوگا۔

والسلام

محمد اقبال ۲۸/اپریل ۱۹۳۶ء

اقبالیات ماجد کا آخری اندراج مولانا دریابادی کا ایک مضمون نٹشے رومی اور اقبال ہے۔ یہ ایک بہت اہم مضمون ہے مولانا دریابادی نے بھی اقبال کی طرح نٹشے اور رومی کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا تھا اس تجزیہ سے بھی ان کی گہری نظر کا اندازہ ہوتا ہے انھوں نے واضح کیا ہے کہ نٹشے کا نقطہ نظر ناپختہ اور غیر مستقل تھا اقبال نے اگرچہ اس کا گہرائی سے مطالعہ کیا تھا اور ایک حد تک اس کے افکار سے متاثر بھی ہوئے مگر اس کے طفیلی بالکل نہیں رہے وہ لکھتے ہیں:

> جن ناقدوں نے بعض ظاہری الفاظ اور سطحی مشابہت سے دھوکا کھا کر اقبال کو نٹشے کا طفیلی کسی معنی میں بھی قرار دیا ہے انھوں نے اقبال پر بھی ظلم کیا ہے اور خود اپنے ذوق سلیم پر بھی، اقبال کی نظر آفاقی تھی ان کے اصول اخلاق میں کائنات کی گہرائی روحانیت کی ہم وسعتی تھی وہ بھلا مادی حد بندیوں کے اندر کیسے محصور رہ سکتے تھے،ان کے یہاں بلا کا توازن تھا نٹشے کو جیسا انھوں نے پہچانا ہے کم ہی کسی نے پہچانا ہوگا وہ اس کی گرمی گفتار کے قائل ہیں اسے مانتے ہیں کہ اس نے مغرب کی مصنوعی تہذیب وتمدن پر اپنی شمشیر قلم سے خوب خوب چرکے لگائے

ہیں‘‘۔(۱۰)

اس کے برعکس وہ رومی سے بہت متاثر ہیں بقول مولانا دریابادی اسے مرشد روشن ضمیر مانتے ہیں، انھیں کی روحانیت کا سہارا ہے کہ وہ فرش خاک سے اڑ کر عالم بالا تک پہنچتے ہیں اور انھیں کا دامن پکڑ کر آسمان کی سیر کر ڈالتے ہیں ہر سوال کا جواب انہیں سے پاتے ہیں اور ہر گرہ انھیں کے ناخن حکمت ومعرفت سے کھلواتے ہیں۔(۱۱)

غرض مقالہ میں انھوں نے ثابت کیا ہے کہ وہ نٹشے سے کم اور اصلا رومی سے پورے طور پر متاثر ہیں اور یہی واقعہ بھی ہے۔

مذکورہ مباحث سے پورے طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ مولانا دریابادی اقبال کے نہ صرف ایک بڑے عقیدت مند تھے بلکہ اقبالیاتی ادب کے فروغ میں بھی ان کا بڑا اہم حصہ ہے۔

حوالے

(۱) ادیب شبلی نمبر ص ۷

(۲) اقبالیات ماجد: ص ۸

(۳) اقبالیات ماجد ص ۲۴

(۴) اقبالیات ماجد ص ۲۵

(۵) اقبالیات ماجد ص ۲۵

(۶) اقبالیات ماجد: ص ۷

(۷) اقبالیات ماجد: ص ۱۱

(۸) اقبالیات ماجد: ص ۱۲

(۹) اقبالیات ماجد: ص ۱۲

(۱۰) اقبالیات ماجد: ص ۶۶

(۱۱) اقبالیات ماجد: ص ۶۷

اقبال اور شاہ معین الدین احمد ندوی

مولانا سید سلیمان ندوی کے بعد دارالمصنّفین کی نظامت مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی کے ذمہ آئی۔ وہ ندوہ کے نامور فرزند اور مولانا سید سلیمان ندوی کے تربیت یافتہ تھے۔ ۱۹۲۴ء میں ندوہ سے فراغت کے بعد دارالمصنّفین سے بطور رفیق وابستہ ہوئے۔ سید صاحب کی ہجرت پاکستان کے بعد دارالمصنّفین کی نظامت کا بار انہی کے کاندھوں پر آیا۔ چنانچہ وہ دارالمصنّفین کے کاموں کو آخری سانس تک بحسن وخوبی انجام دیتے رہے اور مر کر ہی اس ادارہ سے جدا ہوئے۔ متعدد علمی وتحقیقی کتابیں ان کے قلم سے نکلیں۔ جس میں سیر الصحابہ [۳/ جلدیں]، تاریخ اسلام [۴/جلدیں]، عرب کی موجودہ حکومتیں، حیات سلیمان، تابعین، خریطہ جواہر اور دین رحمت وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کا ادبی مذاق بڑا پختہ اور اسلوب نگارش بڑا سستہ وشگفتہ تھا۔ ان کے ادبی وتنقیدی مضامین کا مجموعہ ''ادبی نقوش'' کے نام سے شائع ہوا۔ انہوں نے علامہ اقبال پر دو اہم اور طویل مقالات لکھے اور کئی مضامین میں اقبال کا ضمناً ذکر کیا۔ یہ مقالات اس لائق ہیں کہ ان کا تفصیل سے ذکر کیا جائے۔

بعض ناعاقبت اندیشوں نے اقبال پر فرقہ پرستی کا الزام عائد کیا تو شاہ صاحب نے ایک طویل تنقیدی مقالہ ''کیا اقبال فرقہ پرست شاعر تھے؟'' کے عنوان سے ماہنامہ معارف جنوری-فروری ۱۹۵۰ء میں لکھا اور اس بے حقیقت الزام کی پورے طور پر تردید کی۔ یہ مقالہ ان کی اقبال سے شیفتگی اور اقبالیات پر گہری نظر کا غماز ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اقبال کی شاعری کا موضوع بہت پامال ہو چکا ہے اور اس پر اتنا لکھا جا چکا ہے کہ

اس کا کوئی پہلو مشکل سے تشنہ باقی ہوگا اور اب اس پر لکھنے کی بہت کم گنجائش ہے
لیکن جن لوگوں کی نظر ان کے پورے کلام اور اس کی غرض و غایت پر نہیں ہے، ان
کی جانب سے ان پر ایک بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ فرقہ پرست شاعر تھے۔
ان کا دل اپنی قوم اور اپنے وطن کی محبت سے خالی تھا۔ انہوں نے قومیت اور
روطنیت کی مخالفت کی ہے۔ ان کی تعلیمات اور ان کے پیام میں عالم گیریت نہیں
ہے۔ انہوں نے عالم انسانیت یا کم از کم ہندوستانی قوم کو مخاطب بنانے کے
بجائے صرف مسلمانوں سے خطاب کیا ہے اور اپنی شاعری میں صرف اسلام کی
تبلیغ و اشاعت کی ہے۔ وہ اسلامی حکومت کے قیام کے داعی اور صرف مسلمانوں
کا غلبہ و اقتدار چاہتے تھے۔ ان کی فرقہ پرستی کے ثبوت میں اور بھی اسی قبیل کے
اعتراضات کئے جاتے ہیں۔(۱)

شاہ صاحب کا خیال ہے کہ یہ اعتراضات معترضین کی اقبال اور افکار اقبال سے
ناواقفیت کا نتیجہ ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

لیکن یہ تمام اعتراضات اقبال کے افکار و تصورات، ان کے نصب العین، ان کے
مقصد شاعری ، یورپ کی سیاست، مذہب اسلام، مشرقی قوموں خصوصاً
مسلمانوں کے زوال کی تاریخ سے ناواقفیت اور کلام اقبال پر قصور نظر کا نتیجہ ہیں۔
اگر ان امور کی روشنی میں اقبال کے کلام کا مطالعہ کیا جائے تو یہ سارے
اعتراضات خود بخود رفع ہو جائیں۔"(۲)

پھر شاہ صاحب نے اس سلسلہ میں کلام اقبال سے دلائل پیش کرتے ہوئے ایک ایک
اعتراض کا جواب دیا ہے اور معترضین کے خیالات کو بے بنیاد ثابت کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ

"اقبال کے دل میں قوم و وطن کی محبت بھی تھی، لیکن ان کی قومیت و وطنیت کا تصور
محدود نسلی اور جغرافی قومیت و وطنیت کے بجائے عالمگیر انسانی اخوت تھا اور وہ نسل
و وطن کے محدود دائروں کو توڑ کر تمام انسانوں کو اخوت کے رشتہ میں منسلک کرنا

چاہتے تھے اوراس کے لئے نسل اورقومی وطنی قومیت اوروطنیت کے موجودہ تصورکی اصلاح ضروری تھی ،گوانہوں نے جابجا مسلمانوں کومخاطب کیا ہے لیکن اس کے باوجودان کا پیام عالمگیرتھا،ان دونوں میں کوئی تضادنہیں ہے،انہوں نے جارحانہ جنگ ومقابلہ کی کہیں تعلیم نہیں دی ہے،وہ موجودہ اصلاح کے لحاظ سے اسلام اورمسلمانوں کا سیاسی غلبہ و اقتدارنہیں چاہتے تھے اورنہ ان معنوں میں اسلامی حکومت کے داعی تھے، بلکہ اسلامی تعلیمات کی اشاعت سے ان کا مقصد انسانیت کی فلاح وسعادت تھی۔‘‘(۳)

شاہ صاحب کا خیال ہے کہ قوم ووطن کی محبت ایک فطری جذبہ ہے جس سے انسان کیا حیوان بھی خالی نہیں۔پھرانہوں نے واضح کیا ہے کہ اسلام نے اس کی تعلیم دی ہے۔اس سلسلہ میں احادیث اوررسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کی انہوں نے شہادت بھی پیش کی ہےاور آخر میں لکھا ہے کہ اگراقبال کواسلامی شاعر مان لیا جائے تو ان کا کلام اوربھی قوم وطن کی محبت سے خالی نہیں ہوسکتا،ورنہ پھراسلامی شاعر کہنا صحیح نہ ہوگا۔(۴)

علامہ اقبال کی ابتدائی دور کی شاعری اوراس میں انقلاب پرروشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’ابتدائی دور میں توان پرقومیت اوروطنیت کا اتنا غلبہ تھا کہ انہوں نے’’نیا شوالہ‘‘ اورترانہ ہندی جیسی حب قوم ووطن میں ڈوبی ہوئی نظمیں کہیں،لیکن پھرموجودہ زمانہ کی نیشنلزم کےنتائج بد دیکھنے کے بعدجس کی تفصیل آیندہ آئے گی،ان کے خیالات بدل گئے اورانہوں نےنسلی اورجغرافی قومیت ووطنیت کے بجائے افکار وتصورات کی وحدت اورانسانی اخوت کی بناپر عالمگیرقومیت ووطنیت کی دعوت شروع کی۔(۵)

یہ تفصیلات پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

’’لیکن اس کا یہ مقصدنہیں تھا کہ ان کی نگاہ میں نسلی اورجغرافی قوم ووطن کی کوئی

حیثیت نہیں رہ گئی اوران کا دل اس کی محبت سے خالی ہوگیا، اورانہوں نے اس کے حقوق نظر انداز کردئے بلکہ انہوں نے اس کے حدود مقرر کردیئے، اوراس حد کے اندر ان کے دل میں اپنے ملک وقوم کی پوری عظمت ومحبت تھی اور وہ ہندوستان کی غلامی پر ویسا ہی دردمند اوراس کی آزادی کے لئے تڑپتا تھا جس قدر ایک بڑے سے بڑے قوم پرور کا دل تڑپ سکتا ہےاور یہ محبت وعظمت ہر دور میں یکساں قائم رہی،نسلی اور جغرافی وطنیت کے بارہ میں ان کے خیالات ۱۹۰۸ء کے بعد بدل چکے تھے جیسا کہ ان کی مشہور نظم وطن سے ظاہر ہوتا ہے:

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور ساقی نے بنا کی روش لطف وستم اور

مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے

جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے'' (۶)

شاہ صاحب کا خیال ہے کہ قوم و وطن کی محبت اقبال کے دل میں پوری موجود تھی۔ ثبوت میں انہوں نے اقبال کے آخری دور کو پیش کیا ہے۔ جاوید نامہ کا خاص طور پر نام لیا ہے جس میں ہندوستان سے متعلق بکثرت نظمیں ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ان نظموں کے لفظ لفظ سے وطن کی محبت ٹپکتی ہے۔ اپنے موقف کی تائید میں انہوں نے درج ذیل نظم پیش کی ہے:

باز گواز ہند و از ہندوستان آنکہ یا کاہش نیر ز و آسمان

آنکہ اندر مسجدش ہنگامہ مرد آنکہ اندر دیر او آتش فسرد

آنکہ دل از بہر او خون کردہ ایم آنکہ یادش را بجان پر وردہ ایم

از غم ما کن غم اور اقیاس

آہ ازمعشوق عاشق نا شناس (۷)

اس کے بعد انہوں نے ایک اور نظم کے چند اشعار نقل کئے ہیں جس میں اقبال نے غلامی پر آنسوں بہائے ہیں، اسی نظم کا مشہور شعر ہے:

جعفر از بنگال صادق از دکن
ننگ آدم، ننگ دیں، ننگ وطن

جاوید نامہ کے عالم بالا کے تمثیلی مناظر سے بھی شاہ صاحب نے استدلال کیا ہے اور لکھا ہے کہ اقبال نے اس میں ہندوستان کی روح اور مادر وطن کی تصویر کھینچ دی ہے۔ غلامی، وطن سے غداری اور غداران وطن وغیرہ کے متعلق مادر ہند کی زبان سے اقبال نے جو اشعار کہے تھے اس کے متعدد اشعار نقل کر کے اقبال کے جذبہ حب الوطنی کی توضیح کی گئی ہے۔ شاہ صاحب کا خیال ہے کہ کلام اقبال میں ہندوستان کی غلامی کے ماتم میں ان کی بہت سی نظمیں ہیں۔ ان کا نقل کرنا دشوار ہے۔

اقبال نے ایک نظم میں ہندو مسلم اختلافات پر آنسو بہائے ہیں۔ وہ ہندو مسلم اختلاف کے شدید خلاف تھے۔ ان کی نظر میں ہندوستان کی غلامی کا ایک سبب یہ اختلافات بھی تھے۔ اپنے موقف کی تائید میں انہوں نے اقبال کی ایک فارسی نظم بھی نقل کی ہے۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے اقبال کے وہ اشعار نقل کئے ہیں جو انہوں نے کشمیر و دیگر خطوں کی مدح میں کہے ہیں۔ پھر اقبال کو ہندوستان کے صلحا و اخیار سے جو عقیدت تھی اور ان سے متعلق انہوں نے جو اشعار یا نظمیں کہی ہیں ان سے استدلال کرتے ہوئے معترضین کے جوابات دئے ہیں۔ ان میں رام چندر جی، گوتم بدھ اور گرونانک کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے اقبال کی یہ مشہور نظم بھی نقل کی ہے:

لبریز ہے شراب حقیقت سے جام ہند سب فلسفی ہیں خطۂ مغرب کے رام ہند
یہ ہندیوں کی فکر فلک رس کا ہے اثر رفعت میں آسمان سے اونچا ہے بام ہند
اس دیس میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سرشت مشہور جن کے نام سے دنیا میں نام ہند
ہے رام کے وجود پہ ہندوستان کو ناز اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
اعجاز اس چراغ ہدایت کا ہے یہی روشن تراز سحر ہے زمانہ میں شام ہند
تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں مرد تھا پاکیزگی میں جوشِ شجاعت میں فرد تھا (۸)

شاہ صاحب نے انہی مباحث پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ ایک عنوان ''اقبال اور مشرق'' قائم کیا ہے اور اس کا آغاز اس بات سے کیا ہے کہ ''اقبال کو نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے ایشیا سے محبت تھی اور اس کا دل اس کی زبوں حالی پر تڑپتا تھا، استدلال میں انہوں نے مثنوی ''پس چہ باید کرد اے اقوام شرق'' کو پیش کیا ہے۔ متعدد دلائل پیش کئے ہیں اور حق تھا کہ شاہ صاحب اس موضوع پر مقالہ لکھتے۔ اس بحث کے خاتمہ پر بطور استدلال یہ اشعار نقل کئے ہیں:

دیکھا ہے ملوکیت افرنگ نے جو خواب ممکن ہے کہ اس خواب کی تعبیر بدل جائے
طہران ہو اگر عالم مشرق کا جنیوا شاید کرہ ارض کی تقدیر بدل جائے

شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ اقبال یورپ کے نیشنلزم کے مخالف تھے، اس کے اسباب کیا تھے۔ شاہ صاحب نے قدرے تفصیل سے اس کو بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''البتہ وہ یورپ کی پیدا کردہ نیشنلزم کے جس کی بنیاد نسلی اور جغرافی قومیت و وطنیت بلکہ قوو وطن پرستی پر ہے ضرور خلاف تھے، اس لئے کہ یہ زبردست قومیت اور وطنیت عالم انسانیت کی دشمن ہے اور اس سے انسانی وحدت کے بجائے ان میں تفریق اور گروہ بندی پیدا ہوتی ہے۔ خواہ اس کی ظاہری شکل کتنی ہی دلفریب ہو، لیکن اس کی بنیاد نسلی احساس برتری اور قومی خودغرضی ہے، جس کا لازمی نتیجہ کمزور قوموں کے حقوق کی پامالی، ان کی تباہی اور جنگ وخونریزی ہے، یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہر طاقتور اور ترقی یافتہ قوم اپنے مقابلہ میں دوسری کمزور قوموں کو حقیر اور اس پر حکومت کرنا اپنا حق سمجھتی ہے۔ اس نسلی قومیت کے جو خونیں تماشے صدیوں سے دنیا میں ہو رہے ہیں، ان سے ہر شخص واقف ہے، گذشتہ ہولناک جنگ جس کی تباہیوں سے اب تک دنیا کو نجات نہیں ملی ہٹلر کے نسلی برتری ہی کے نعرہ کا نتیجہ تھی۔ اس نسلی برتری کے جذبہ اور قوم پرستی نے نہ صرف مختلف ملکوں اور قوموں بلکہ ایک ہی قوم میں اشرف واعلیٰ اور پست و بلند طبقات قائم کر دئے ہیں۔ یورپ اپنے کو ایشیا سے افضل سمجھتا ہے، ایشیا والوں کو اہل افریقہ کے

مقابلہ میں برتری کا احساس ہے۔ایک ہی ملک اور ایک ہی قوم میں مختلف پست وبلند طبقوں کی سب سے بڑی مثال ہندوستان ہے۔

دوسرا نتیجہ بین الاقوامی اقتصادی کشمکش ہے۔آج ہر طاقتور قوم اپنی اقتصادی اور تمدنی برتری قائم رکھنے کے لئے کمزور قوموں کو غلام رکھنا چاہتی ہے۔گذشتہ ساری لڑائیاں اسی کا نتیجہ تھیں، اسی کے بدولت ایشیا صدیوں تک یورپ کا غلام رہا اور آج بھی جب کہ یورپ کی سیاسی گرفت ڈھیلی پڑ گئی ہے اس کو یورپ کی اقتصادی غلامی سے نجات نہیں ملی ہے اور یہ کشمکش نہ صرف یورپ ، ایشیا اور افریقہ کے درمیان بلکہ خود ان براعظموں کے مختلف ملکوں اور قوموں کے درمیان بھی اسی طرح جاری ہے۔گذشتہ جنگ عظیم میں یورپ اور امریکہ کی حکومتیں جس طرح آپس میں ٹکرائیں اور جاپان نے اپنے پڑوسی چین اور برہما کے ساتھ جو کچھ کیا اور آج یورپین طاقتوں میں جو کشمکش برپا ہے، جس نے دنیا کے امن وامان کو خطرہ میں ڈال رکھا ہے وہ سب کی نگاہ کے سامنے ہے،، اقبال نے اسی دشمن انسانیت قومیت اور وطنیت کی مخالفت کی ہے:

اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے　　تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے　　کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے
قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے (۹)

پھر شاہ صاحب اصل موضوع پر آتے ہیں، دکھاتے ہیں کہ اقبال کیا چاہتے تھے۔وہ لکھتے ہیں:

’’اس بنا پر انہوں نے نسلی وجغرافی قومیت اور وطنیت کے بجائے عالمگیر انسانی وحدت اور اخوت ومحبت کی دعوت دی جس سے ان کی کوئی کتاب بھی خالی نہیں ہے۔مختلف نظموں کے مختلف اشعار ملاحظہ ہوں:

ہوس نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا نوع انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زباں ہوجا
یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی و تورانی
تو اے شرمندۂ ساحل اچھل کر بے کراں ہوجا

تمیز بندۂ و آقا فساد آدمیت ہے
حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

حقیقت ایک ہے ہر شے کی نوری ہو کہ خاکی ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرہ کا دل چیریں

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم
چمن زادیم و ازیک شاخساریم
تمیز رنگ و بو بر ما حرام است
کہ ما پروردۂ یک شاخساریم

اس سے ظاہر ہے کہ ان کا پیام عالمگیر تھا اور یہ اعتراض دور ہوگیا کہ ان کے پیام میں عالمگیریت نہیں ہے اور انہوں نے صرف مسلمانوں کو مخاطب بنایا ہے۔(۱۰)

مخالفین کا ایک بڑا اعتراض یہ ہے کہ اقبال نے مسلمانوں کو حصول قوت اور جنگ و خونریزی کی تعلیم دی۔اس کے تدارک میں شاہ صاحب لکھتے ہیں:

''یہ اعتراض بھی کہ اقبال نے اس زمانہ میں جب کہ دنیا امن وسکون کو ترستی ہے، مسلمانوں کو حصول قوت اور جنگ وخونریزی کی تعلیم دی بالکل غلط یا کم از کم غلط فہمی پر مبنی ہے۔ان کے بعض اشعار سے جو خاص مقصد کے ماتحت کہی گئی ہیں کلیۃ

قاعدہ بنالینا صحیح نہیں، اگر کچھ اشعار میں حصول قوت اور جنگ ومبارزت کی تعلیم ہے تو سیکڑوں اشعار میں اخوت ومحبت اور امن وصلح کی بھی دعوت ہے۔ اولاً حصول قوت اور جنگ ومبارزت دوالگ الگ چیزیں ہیں، حصول قوت کے معنی جنگ کے نہیں ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو حصول قوت کی ضرور تعلیم دی ہے لیکن اس کا سبب مسلمانوں کا زوال اوران کی تباہی ہے جس کے اوراسباب میں سے ایک بڑا سبب ان کا ضعف بھی ہے۔ اس لئے حصول قوت کی تعلیم جنگ و مبارزت کے لئے نہیں بلکہ بقائے حیات کے لئے ہے۔ اس کو جارحانہ قوت پر محمول کرنا صحیح نہیں۔ صدیوں کے زوال سے مسلمانوں کے قوائے عمل بالکل شل ہو گئے تھے۔ ان میں جان ڈالے بغیر مسلمان زندہ نہیں رہ سکتے تھے، یہ تو نہ صرف سیاسی بلکہ طبعی مسلمات میں سے ہے کہ کوئی قوم بلکہ کوئی ہستی قوت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی:

تقدیر کے مفتی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات(۱۱)

اس موضوع پر انہوں نے قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ طوالت کے مدنظر ان سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

معترضین کا ایک بڑا اہم اعتراض یہ ہے کہ اقبال نے اسلامی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت کی ہے اور دنیا کو اس کے قبول کرنے اور اسلامی نظام اور اسلامی حکومت کے قیام کی دعوت دی ہے۔ انہوں نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کا غلبہ واقتدار چاہتے تھے۔ شاہ صاحب کا خیال ہے کہ یہ اعتراض موجودہ مذاق کے لحاظ سے بظاہر وقیع معلوم ہوتا ہے لیکن اس سے جو نتیجہ نکالا جاتا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔'' (۱۲) شاہ صاحب لکھتے ہیں:

''اس میں شبہ نہیں کہ انہوں نے اسلامی تعلیمات کی تبلیغ واشاعت بھی کی ہے اور دنیا کو اسلامی نظام قبول کرنے کی دعوت بھی دی ہے لیکن اس لئے نہیں کہ وہ خود مسلمان

> تھے اور ان کا مذہب اسلام تھا، اس لئے وہ ساری دنیا سے اس کو منوانا اور اس کے ذریعہ مسلمانوں کا غلبہ واقتدار چاہتے تھے، بلکہ اس لئے اسلامی اصولوں کی دعوت دیتے تھے کہ ان کے نزدیک انہی کے ذریعہ انسانیت کی فلاح اور موجودہ دور کی تمام مشکلات ومسائل کا حل ہوسکتا تھا۔'' (۱۳)

اپنے اس موقف کی تائید میں شاہ صاحب نے مذہب اسلام کی صداقت وعدالت، وسعت، ہمہ گیری بلکہ عالمگیریت کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اسلام کے علاوہ دنیا کا اور کوئی مذہب اپنی تعلیمات کے لحاظ سے اسلام کا ہمسر اور مد مقابل نہیں، اور چونکہ اسلام انسانی عقل وشعور اور تہذیب وتمدن کی ترقی کے زمانہ کا مذہب ہے اس لئے اس کی تعلیمات تمام گذشتہ مذاہب سے زیادہ جامع، مکمل اور عالم گیر ہیں اور یہی سبب ہے کہ اقبال نے اسلام کی دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا۔ (۱۴)

شاہ صاحب کی اقبال شناسی کا اصل نمونہ ان کا مقالہ ''اقبال کی تعلیمات پر ایک نظر'' ہے جو ماہنامہ معارف میں اکتوبر تا دسمبر ۱۹۷۱ء وجنوری ۱۹۷۲ء چار شماروں میں شائع ہوا ہے۔ دراصل وہ توسیعی خطبہ ہے جو انہوں نے ندوۃ العلما کے توسیعی خطبات کے سلسلہ میں ستمبر ۱۹۷۱ء میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی صدارت میں پیش کیا تھا۔ یہ اس قدر طویل ہے کہ اسے ایک مکمل کتاب قرار دیا جاسکتا ہے یقینی طور پر اسے کتابی صورت میں شائع ہونا چاہئے تھا۔

اس میں شاہ صاحب نے اقبال کی تعلیمات کی توضیح وتشریح ہے۔ اس کا سبب تحریر بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:-

> ''اقبال مفکر اور فلسفی بھی تھے اور راسخ العقیدہ مسلمان بھی۔ ارکان اسلام کے بارے میں ان کے عقائد بالکل ایک ٹھیٹھ مسلمان کے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے کلام میں جا بجا حکمائے اسلام پر طنز وتعریض کی ہے لیکن ان کے مخاطب عوام وخواص دونوں تھے۔ ان کا مقصد مذہب کے متعلق مغربی افکار وتصورات کے طلسم کو توڑنا اور مسلمانوں کی مغرب زدہ نئی نسل میں خصوصیت کے ساتھ اسلامی روح

> پیدا کرنا تھا۔اس لئے انہوں نے دونوں کی زبان میں گفتگو کی ہے،ٹھیٹھ اسلام بھی پیش کیا ہے اور اس کی تعلیمات کی حکیمانہ تعبیریں بھی کی ہیں۔ ان کی حکیمانہ تعلیمات پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے لیکن ٹھیٹھ اسلامی تعلیمات پر کم لکھا گیا ہے۔اس لئے اس مقالہ میں ان کی دوسری تعلیمات کے ساتھ اسلام کے بنیادی ارکان توحید، رسالت، وحی قرآن اور اسلامی شریعت وغیرہ کے متعلق ان کے خیالات خصوصیت کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔‘‘(۱۵)

اس کے بعد شاہ صاحب نے اقبال کی ٹھیٹھ اسلامی تعلیمات ونظریات کی کلام اقبال کی روشنی میں تشریح وتوضیح کی ہے،اس مقالہ کے ضمنی عنوانات یہ ہیں:

۱۔ملت اسلامیہ کا سنگ اساس توحید ورسالت ہے،۲۔توحید،۳۔رسالت،۴۔نبوت کی اہمیت،۵۔ملت اسلامیہ کا وجود ایک آئین سے وابستہ ہے اور وہ قرآن مجید ہے،۶۔شریعت اسلامیہ، ۷۔اس انقلاب انگیز پیغام کے نتائج،۸۔مسلمانوں کا منصب و مقام، ۹۔ایمان و یقین،۱۰۔عمل اور جوش کردار،۱۱۔زندگی کا فلسفہ،۱۲۔عشق کی عظمت،۱۳۔اقبال کا مرد مومن اوراس کے اوصاف،۱۴۔موت سے بے خوفی،۱۵۔فقر،۱۶۔مغربی تہذیب اورمغربی علوم،۱۷۔مغربی قوموں کی ترقی کا حقیقی سبب،۱۸۔مغربی تعلیم،۱۹۔فرنگی سیاست،۲۰۔فرنگی تہذیب،۲۱۔بعض اعتراضات کا جواب۔

مذکورہ تمام عنوانات پر اظہار خیال کرتے ہوئے شاہ معین الدین احمد ندوی نے کلام اقبال سے متعدد ثبوت وشواہد فراہم کئے ہیں۔شاہ صاحب کے دلائل مضبوط ہیں۔چونکہ اس موضوع پر اقبال کے حوالہ سے بہت کچھ لکھا جاچکا ہے اس لئے اس کی تفصیل سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔البتہ ضرورت ہے کہ اسے کتابی صورت میں ایڈٹ کرکے شائع کیا جائے اور دکھایا جائے کہ شاہ صاحب کس درجہ بلند اقبال شناس تھے۔

حوالے

(۱) ماہنامہ معارف جنوری ۱۹۵۰ء۔ص۴۳

(۲) ایضاً

(۳) ماہنامہ معارف جنوری ۱۹۵۰ء ص ۴۳-۴۴

(۴) معارف جنوری ۱۹۵۰ء ص ۴۴

(۵) ایضاً ص ۴۴-۴۵

(٦) ماہ نامہ معارف جنوری ۱۹۵۰ء ص ۴۵

(۷) معارف جنوری ۱۹۵۰ء ص ۴٦

(۸) معارف جنوری ۱۹۵۰ء ص ۴۹

(۹) معارف جنوری ۱۹۵۰ء ص ۵۵-۲٦

(۱۰) ایضاً ص ۵٦-۵۷

(۱۱) معارف جنوری ۱۹۵۰ء ص ۵۸

(۱۲) معارف فروری ۱۹۵۰ء ص ۸۵

(۱۳) معارف فروری ۱۹۵۰ء ص ۸۵-۸٦

(۱۴) معارف فروری ۱۹۵۰ء ص ۸۵-۱۰۸

(۱۵) ماہنامہ معارف اکتوبر ۱۹۷۱ء ص ۲۴۵

اقبال اور سید صباح الدین عبدالرحمٰن

۱۹۷۴ء میں مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی ناظم دارالمصنّفین کی وفات کے بعد سید صباح الدین عبدالرحمٰن دارالمصنّفین کے ناظم منتخب ہوئے۔ وہ ایک بڑے محقق و مصنف تھے۔ ان کے قلم سے متعدد گراں مایہ کتابیں نکلیں۔ ''بزم تیموریہ''، ''بزم مملوکیہ'' اور ''ہندوستان کے عہد وسطیٰ کا فوجی نظام'' ان کی بڑی مشہور کتابیں ہیں۔ انہیں مولانا سید سلیمان ندوی سے خاص انس و تعلق تھا۔ سید صاحب نے تاریخ ہند کی ترتیب و تدوین کے لئے ان کی تعلیم و تربیت کی تھی۔

علامہ اقبال سے عقیدت انہیں ورثے میں ملی تھی۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ صباح الدین صاحب کو علامہ اقبال سے بچپن سے لگاؤ تھا۔ وہ جب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں طالب علم تھے، اس زمانہ میں علامہ سے ملاقات کے لئے لاہور گئے۔ اس کی تفصیل انہوں نے اس طرح لکھی ہے:

> ''ڈاکٹر اقبال ہم دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی والوں کے دل و دماغ پر برابر چھائے رہے، پہلے میں اپنا ایک ذاتی واقعہ سناؤں، جب میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا طالب علم تھا تو ایک ایجوکیشنل ٹرپ وہاں سے دہلی اور امرت سر ہوتا ہوا لاہور پہنچا، جہاں لوگ اقبال کو دیکھنے کے لئے بے قرار ہوئے، ہم میں سے کسی نے ان کو دیکھا نہیں تھا، میں ان کی بانگ درا، اسرار خودی، رموز بے خودی اور زبور عجم پڑھ چکا تھا۔ ان کے فلسفہ خودی اور بے خودی سے کچھ آشنا ہو چلا تھا، ان کی نظموں میں شکوہ، جواب شکوہ، خضر راہ، طلوع اسلام اور فریاد یتیم سے بہت

متاثر تھا۔ان کو دیکھ کر اپنی آنکھوں کو ڈھنڈک پہنچانا چاہتا تھا۔ساتھیوں نے ان سے وقت مانگا تو مسلم یونیورسٹی کا نام سن کر ملنے کا وقت مقرر کر دیا۔اپنے ساتھیوں کے ساتھ میکلوڈ روڈ میں ان کی کوٹھی کی طرف چلا تو ایسا معلوم ہورہا تھا کہ آرزوؤں کی جنت میں داخل ہونے جارہا ہوں۔ہم لوگ ان کے ڈرائنگ روم میں بٹھائے گئے جو زیادہ سامان سے آراستہ نہ تھا۔وہ بغل کے کمرے سے قمیص اور سلوار پہنے ڈرائنگ روم میں آکر ایک کرسی پر بیٹھ گئے،ملازم نے ان کا حقہ لاکر ان کے پاس رکھ دیا۔بجلی کی سرعت سے میری نگاہ ان کی طرف اٹھی کہ مسلمانوں کو صداقت کا، شجاعت کا،امامت کا سبق دینے والا،نیل سے کاشغر تک مسلمانوں کو ایک کرنے والا،طلوع اسلام لکھ کر مسلمانوں کو حیات نو کا مژدہ سنانے والا،اپنے رب سے دل مسلم کے لئے زندہ تمنا مانگنے والا،مسلمانوں کی روح کو تڑپانے اور ان کے قلب کو گرمانے والا،انسان کو خودی کا پیام دے کر اس کو اپنی ہستی کے اسرار اور زندگی کے سوز و ساز کا احساس دلانے والا اور پھر انفرادی زندگی کے جزء کو قومی زندگی کے کل میں شامل کر کے یکدلی اور یکجہتی کی بنیاد رکھنے والا اور اپنی غزلوں کے ذریعے سے سرودِ زندگی میں حرارت آتش پیدا کرنے والا سامنے ہے۔ذہن پر ایک ٹھنڈی چاندنی بکھیر رہا ہے۔ساتھیوں سے فرداً فرداً خیریت پوچھی،مسلم یونیورسٹی کا حال پوچھا،میں نے بے تابانہ ان کی طرف اپنی آٹوگراف بک بڑھا دی جس میں انہوں نے بڑے صاف اور پاکیزہ حروف میں تحریر فرمایا

صحبت پیر روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش لاکھ حکیم سربجیب ایک کلیم سربہ کف

یہ ۱۹۳۳ء کا واقعہ ہے۔گذشتہ ۴۳؍سال سے ان کے کلام کو اسی شعر کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں۔''(۱)

دارالمصنّفین میں علامہ اقبال،ان کی تخلیقات،ان کے افکار و خیالات اور ان کے کارناموں کو انتہائی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔اور ان کے بارے میں بڑے بلند

خیالات تھے۔صباح الدین صاحب نے لکھا ہے کہ

''ہم دارالمصنّفین والے علامہ محمد اقبال کو مفکر اسلام، اسرار الٰہی کا محرم راز، شریعت کا آشنا، کاروان ملت کا حدی خواں اور فلسفہ اسلام کا ترجمان سمجھتے تھے، اگر کوئی ان کے نہاں خانہ زندگی میں جھانک کر ان کو مجروح کرنے کی کوشش کرنا چاہتا ہے تو ہم میں ویسا ہی اشتعال پیدا ہوتا ہے جیسے ہمارے کسی مذہبی پیشوا پر حملہ آور ہو کر کوئی ان کی توہین کرے، مجلس کے دیگر رفقاء نے اپنی معروضیت پسندی کی وجہ سے ہماری اس رائے کو انتہا پسندی پر محمول کیا مگر ہم اپنی رائے میں تبدیلی کرنے کو تیار نہیں ہوئے۔''(۲)

یہی ماحول تھا جس میں سید صباح الدین صاحب و دیگر رفقاء کے ذہن و مزاج میں ذکر اقبال، فکر اقبال، فلسفہ اقبال اور ان کے شاعرانہ کمالات کی صدآفریں صدائیں بلند رہیں اور وہ اس کی روشنی سے معمور رہے۔

اکتوبر ۱۹۷۶ء میں ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد نے بڑے پیانہ پر''یوم اقبال'' منعقد کیا۔اس میں شرکت کے لئے سید صباح الدین صاحب کو بھی دعوت دی گئی، چنانچہ انہوں نے طویل سفر کر کے اس میں شرکت کی اور ایک مقالہ'' موجودہ ہندوستان میں اقبال'' کے عنوان سے پیش کیا۔جس میں ہندوستان میں اقبال شناسی کی پوری تفصیل پیش کر دی ہے، ابتدا میں اقبال سے متعلق اپنے تاثرات اور احساسات کا اظہار کیا ہے، اور اقبال کو اپنے عہد کا یگانہ روزگار شخص قرار دیا ہے۔اپنی ملاقات کے ذکر کے ساتھ دارالمصنّفین کے اہل قلم بالخصوص مولانا سید سلیمان ندوی اور شاہ معین الدین احمد ندوی کی اقبال شناسی کا ذکر کیا ہے، پھر ہندوستان کے چند ممتاز اقبال شناسوں کی کاوشوں کی تفصیل پیش کی ہے۔بلاشبہ یہ ایک اہم اور معلومات افزا مقالہ ہے۔اس مقالہ خوانی کا نقشہ مولانا کوثر نیازی سابق وزیر مذہبی امور پاکستان نے اپنے ایک مضمون میں اس طرح کھینچا ہے:

''مولانا[صباح الدین صاحب]علامہ اقبال کے زبردست مداح اور معتقد تھے

اور یہ حسن عقیدت بھی شاید انہیں اپنے استاد مرحوم سے ورثے میں ملا تھا۔.......
.... شاید اسی نسبت سے مولانا صباح الدین علامہ اقبال کے محض معترف ہی
نہیں بلکہ ان کے چاہنے والے تھے۔.................... بطور صدر مجلس مجھے بھی
اس میں اظہار خیال کا موقع ملا، دوسرے مقررین کے علاوہ مولانا نے بھی اپنا پر مغز
مقالہ پیش کیا۔ ....اسلام آباد کمیونٹی سینٹر سامعین سے کھچا کھچ بھرا
ہوا تھا، دار السلطنت کے اہل علم نے بڑے انہماک اور دلچسپی سے یہ مقالہ سنا۔''(۳)

علامہ اقبال سے عقیدت ہی کی بنا پر وہ اعظم گڑھ سے لاہور جا کر بین الاقوامی اقبال کانگریس میں شریک ہوئے۔انہوں نے دونوں اقبال کانفرنسوں میں شرکت کی اور دونوں میں ایک ایک اجلاس کی صدارت کی۔دوسری کانگریس میں انہیں اقبال پر اظہار خیال کی دعوت دی گئی تو انہوں نے عقیدت اقبال میں ایسی جذباتی تقریر کی کہ ایک سما باندھ دیا۔جسٹس جاوید اقبال نے کہا کہ میں نے یہ تقریر اشک بار آنکھوں سے سنی۔(۴) صباح الدین صاحب نے اس کانگریس کی ماہنامہ معارف میں مفصل روداد بھی قلم بند کی ہے۔

سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے پاکستان کے کئی سفر کئے۔ایک سفر میں وہ مزار اقبال پر حاضر ہوئے تو بقول ان کے ''دل کی زبان کہہ رہی تھی اے شاعر مشرق تری تربت پر رحمت ایزدی، برکت خداوندی اور انوار الٰہی کی بارش برابر ہوتی رہے۔''(۵)

صباح الدین صاحب نے ایک بڑا اہم مقالہ ''کیا علامہ اقبال یورپ کے فلسفہ سے متاثر تھے'' لکھا۔(۶) جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبالیات پر ان کی بڑی گہری نظر تھی۔ انہوں نے ثابت کیا ہے کہ علامہ اقبال یورپ کے فلسفہ سے اگر چہ پوری طرح واقف تھے تاہم ان کا سرچشمہ یورپ کا فلسفہ یا فلاسفر نہیں بلکہ اسلام ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''جب ہم کوئی ایسی تحریر پڑھتے ہیں جس میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ علامہ محمد اقبال
نے اپنے تمام افکار کی اساس یورپ کے فلسفہ پر رکھی ہے یا انہوں نے نٹشے سے
استفادہ کیا ہے یا ان کے اور برگساں کے فلسفے میں بڑی مشابہت ہے یا ان کے

فکری دلائل روآئس، راشدل، کانٹ اور شوپنہار کی طرح ہیں تو ہمارا دل کہہ اٹھتا ہے کہ اس سے بڑھ کر اقبال کی اہانت نہیں کی جاسکتی اور یہ توہین مشرق اور ہندوستان کے ساتھ اسی طرح کی جاتی ہے جس طرح کہ انگریزوں کے زمانہ میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ مغلوں کے زمانہ کی نادرہ روزگار عمارت تاج محل کو استاد عیسیٰ، استاد موسیٰ اور استاد حامد نے نہیں تعمیر کیا بلکہ اس کے بنانے والے اطالوی معمار تھے۔ علامہ اقبال کو فرنگی فلسفہ کا خوشہ چیں بتانے والے قلمی صناع یا تو اپنی تحریری صنعت گری یا کاریگری دکھانے کی خاطر کچھ لکھ جاتے ہیں یا وہ علامہ اقبال کو صحیح معنوں میں سمجھنے سے قاصر ہیں، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ جس طرح تاج محل مسلمانوں کے فن تعمیرات میں نادرہ روزگار اوران کی ذہنی اختراع کا شاہکار ہے اسی طرح علامہ محمد اقبال کی شاعری اسلامی افکار کا تاج محل ہے، جس طرح تاج محل کی پچی کاری، مرصع کاری اور مینا کاری میں مسلمانوں کے ذہن کی کارفرمائی نظر آتی ہے اسی علامہ محمد اقبال کی شاعری کے گنبد مینائی پر اسلام کے افکار کی کوکبی اور مہتابی کی رعنائی چھائی ہوئی نظر آئے گی، اور جس طرح تاج محل کے باوقار حسن میں اس کے قرآنی آیتوں کے کتبے سے اضافہ ہوگیا ہے اسی طرح علامہ محمد اقبال کی شاعری میں قرآن پاک کی تعلیمات کی اصلی اور حقیقی روح کارفرما ہے۔ انہوں یورپ کے قیام میں فرنگی فلسفیوں کا مطالعہ ضرور کیا لیکن ان کے افکار سے متاثر ہونے کے بجائے ان سے بیزار ہوتے چلے گئے۔'' (۷)

اس کے بعد صباح الدین صاحب نے طویل جائزہ میں مغرب کے ممتاز فلاسفہ کے افکار و خیالات کے بارے میں اقبال کے نقطہ نظر کی وضاحت کی ہے، اور ثابت کیا ہے کہ اقبال مغربی فکر و فلسفہ سے بخوبی واقف تھے، اس کے نشیب و فراز اور حسن و قبح کی باریکیوں اور نزاکتوں پر بھی ان کی نگاہ تھی، یہی وجہ ہے کہ وہ اسلام کے مقابلہ میں ان کے کسی خیال کو ترجیح نہیں دیتے بلکہ اس کا رد کرتے نظر آتے ہیں۔ (۸)

صباح الدین صاحب کو اقبال اور اقبالیات سے واقعی عشق تھا، انہوں نے اقبال سے متعلق متعدد کتابوں پر دیباچے، مقدمے، تعارف وتبصرے لکھے، جن میں چند کے نام یہ ہیں:

۱۔اقبال کا نظام فن	پروفیسر عبدالمغنی
۲۔زندہ رود	جسٹس جاوید اقبال
۳۔اقبال اور سید سلیمان ندوی	طاہر تونسوی

۴۔نقوش لاہور، اقبال نمبر

۵۔ ماہ نو کراچی ۔اقبال نمبر

۶۔سہ ماہی ثقافت لاہور۔اقبال نمبر

۷۔ پاکستان مصور۔اقبال نمبر

۸۔ پاکستان پکٹوریل۔اقبال نمبر

۹۔ہفت روزہ اسلامی جمہوریہ۔اقبال نمبر

۱۰۔ماہنامہ محفل لاہور۔اقبال نمبر

صباح الدین صاحب کی یہ تمام تحریریں اس لائق ہیں کہ ''اقبالیات صباح الدین'' کے تحت جمع کی جاسکتی ہیں۔

صباح الدین صاحب کے یہ تبصرے مختصر بھی ہیں اور طویل بھی۔ان میں سب سے طویل تبصرہ جسٹس جاوید اقبال کی کتاب ''زندہ رود'' پر ہے۔اس کی حیثیت تبصرے سے بڑھ کر مقالے کی ہوگئی ہے۔اقبال اکادمی پاکستان کے سابق ڈائرکٹر ڈاکٹر معز الدین نے لکھا ہے کہ

> ''وہ علامہ اقبال کے شیدائی تھے اور اسی مناسبت سے جسٹس جاوید اقبال سے بے پناہ محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔جب جاوید اقبال نے علامہ کی سوانح عمری'' زندہ رود'' کے نام سے تین جلدوں میں لکھی تو سب سے جامع اور تحسین وتعریف کے ساتھ بھرپور تبصرہ اس کتاب پر مولانا صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم کا چھپا اور ٹوٹ کر اس کی داد دی۔دراصل اپنے مزاج میں وہ خود علامہ اقبال کے مردمومن

اور مرد قلندر کی شان رکھتے تھے۔(۹)

سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب نے ''زندہ رود'' پر اپنے طویل تبصرے میں کہیں نقد و جرح نہیں کی ہے، بلکہ تحسین و تعریف ہی سے کام لیا ہے۔انہیں خود بھی اس بات کا احساس تھا، چنانچہ تبصرے کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ

> ''اس تقریظ کو پڑھتے وقت بعض قارئین کو یہ خیال ہوسکتا ہے کہ اس میں صرف مدح وستائش کے ہار گوندھے گئے ہیں، تنقیص کی کہیں چنگاری نہیں مگر یہ راقم اس کا کیا کرے کہ اس کو علامہ اقبال سے عشق ہے۔جب ان کی کہانی ان کے لائق فرزند کی زبانی بیان ہوئی تو اس میں اس راقم کو وہی لذت ملی جو کسی رند بلانوش کو شیشہ وساغر کی محفل میں مئے دوآتشہ اور سہ آتشہ کے دور میں ملتی ہے:
>
> جو عشق جانگداز ہو تو عشق باز کیا کریں (۱۰)

حوالے

(۱) ماہنامہ معارف نومبر ۱۹۸۹ء ص ۳۴۰

(۲) معارف شذرات دسمبر ۱۹۸۳ء

(۳) مجلّہ فکر و نظر، اسلام آباد، صباح الدین عبدالرحمٰن نمبر ص ۳۷-۳۸

(۴) مجلّہ فکر و نظر صباح الدین عبدالرحمٰن نمبر ص ۳۴۰

(۵) پاکستان میں چار مہینے، ماہنامہ معارف جنوری ۱۹۷۶ء ص ۳۷

(۶) ماہنامہ معارف فروری ۱۹۸۴ء

(۷) ماہنامہ معارف فروری ۱۹۸۴ء ص ۱۱۰-۱۱۱

(۸) ایضاً

(۹) فکر و نظر صباح الدین عبدالرحمٰن نمبر ص ۱۲

(۱۰) سہ ماہی فکر و نظر، اسلام آباد، سید صباح الدین عبدالرحمٰن نمبر ص ۱۶۸

اقبال اور یحییٰ اعظمی

یحییٰ اعظمی[۱۹۰۶-۱۹۷۲ء] دبستان شبلی کے ممتاز اور منفرد لب و لہجے کے شاعر تھے۔ اقبال سہیل سے اصلاح سخن لی اور مدۃ العمر داد سخن دیتے رہے۔ نظمیں، غزلیں، قطعات، رباعیات، مثنوی، مراثی، غرض مختلف اصناف میں داد سخن دی۔ اصلاً نظموں کے شاعر تھے۔ ان کے دو شعری مجموعے نوائے حیات [دہلی ۱۹۴۶ء] اور نوائے عصر [اعظم گڑھ ۱۹۷۰ء] شایع ہوئے۔ ان کی فطری اور وہبی شاعری کے مداحوں میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید سلیمان ندوی، سرور خاں گویا ملک الشعراء افغانستان، ڈاکٹر ذاکر حسین، اسد ملتانی اور مالک رام وغیرہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

یحییٰ اعظمی کا مطالعہ شعر و ادب بہت وسیع تھا۔ خصوصاً اردو و فارسی کے کلاسیکل شعرا کے کلام اور ان کے فکر و فن پر گہری نگاہ تھی۔ علامہ اقبال کے کلام کا انھوں نے بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا تھا۔ ایک مرتبہ انھوں نے اپنی کسی نظم میں ''انائے راز'' کی ترکیب استعمال کی تو ابوعلی اثری نے اسے ناپسند کیا، چنانچہ یحییٰ اعظمی نے اپنے موقف کی تائید میں کئی شعرا کا حوالہ دیا اور سب سے آخر میں کلام اقبال سے استشہاد کیا۔(۱)

۲۱؍اپریل ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبال نے وفات پائی تو ابوعلی اثری نے ایک مضمون لکھا جس میں اقبال کی شخصیت پر خاص طور پر اظہار خیال کیا گیا تھا۔ یحییٰ اعظمی نے اس مضمون پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''آپ کی تحریر کے بعض حصوں سے میں بے حد متاثر ہوا، خصوصاً اقبال صاحب

مرحوم کی عقیدت کے سلسلہ میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے اسے پڑھ کر میری آنکھوں
سے آنسو نکل آئے، شاید ہی کوئی دن ایسا گذرتا ہو کہ وہ مجھے یاد نہ آتے ہوں، مجھے
تو اب سارا ہندوستان سونا نظر آتا ہے۔''(۲)

مذکورہ اقتباس سے ان کی عقیدت اقبال کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ان کی عقیدت اقبال کا اصل اندازہ ان کے مجموعہ کلام ''نوائے حیات'' سے ہوتا ہے، جس میں علامہ اقبال سے متعلق درج ذیل پانچ منظومات و مراثی شامل ہیں۔

۱۔ماتم اقبال
۲۔آہ! اقبال
۳۔غم اقبال
۴۔خطاب بہ شاعر حکیم ہند
۵۔شاعر مشرق اور فلسفہ حیات ملی

یحییٰ اعظمی کے یہ مراثی اور منظومات، علامہ اقبال سے غایت تعلق وعقیدت کے ترجمان ہیں۔اہمیت کے پیش نظر یہاں مذکورہ منظومات و مراثی نقل کئے جاتے ہیں:

ماتم اقبال

کس کے غم میں وقفِ شیون ہے فضائے باغِ دہر — خون سے لبریز ہیں کیوں لالہ وگل کے ایاغ
آہ اے اقبال ، اے مرغِ نواسنجِ حیات! — ہوگیا محروم نغموں سے ترے مشرق کا باغ
شاعر اسلام سے خالی ہوئی بزمِ وجود — سینۂ ملت نہ کیوں ہو فرطِ غم سے داغ داغ
اُف کہوں کیونکر کہ تیری شمعِ ہستی بجھ گئی — بجھ گیا صد حیف بزمِ علم و عرفان کا چراغ
تھی تجھی سے ہند میں قندیل حکمت ضوفشاں — اے حکیمِ دیدہ ور! اے عارفِ روشن دماغ
تونے پایا تھا ازل سے سوز سلمانؓ و اویسؓ — تیری بزمِ دل میں روشن تھا محبت کا چراغ
اللہ اللہ یہ جنونِ شوق کی وارفتگی — عمر بھر تونے لگایا کوے جاناں کا سراغ
ہر نفس تیرا تھا ملت کے لئے یکسر پیام — تیری ہستی آخری دم تک رہی وقفِ بلاغ

کون اب ہم پر کرے گا فاش اسرار و رموز　　فکر کس کا اب لگائے حقیقت کا سراغ
تھا جو عقدہ کشائے کس مکش گاہِ حیات　　پا گیا وہ خود کشاکش ہائے ہستی سے فراغ
الوداع اے ملتِ اسلام کے روشن دماغ　　الفراق اے عالمِ توحید کے چشم و چراغ

آہ اب دنیا سے اسرار کا حامل گیا
اس جہانِ آب و گل کا عارفِ کامل گیا

خاکدانِ دہر میں ملتا تجھے کیوں کر قرار　　خلد میں تھا مرشد رومی کو تیرا انتظار
شوق میں جسکے تھیں اک مدّت سی آنکھیں فرش راہ　　آگیا خود آج وہ دیرینہ یارِ غم گسار
رومی ورازی کہیں، سینا و فارابی کہیں　　خیر مقدم کو کھڑے ہیں سب قطار اندر قطار
کہہ رہا ہے بے خودی میں شاعرِ المانوی　　مرحبا اے ہم دم و ہمراز جانِ بیقرار
قدسیانِ پاک میں بھی ہے یہ غوغا چار سو　　آگیا ہاں آگیا وہ لامکان کا رازدار
قدس کی خلوت سرائے راز کا وہ پردہ ور　　خاکیوں کی فطرتِ بے تاب کا آئینہ دار
آگیا وہ آب و گل کا ترجمان خود شناس　　ہوشیار اے ساکنانِ عالمِ جان ہوشیار
آہ اے اقبال اے ملّت کی جان آرزو　　چھوڑ کر مشرق ہوا تو عازمِ دارالقرار
بلبلِ مشرق ہوا خاموش اے واحسرتا　　کس کے نغمے دیں گے اب ملّت کو پیغامِ بہار
آہ وہ دانا ے اسرارِ پیامِ صبح وشام　　آہ وہ رمز آشنائے گروشِ لیل و نہار
اب کہاں ہے وے ادا دانِ مزاجِ کائنات　　اب کہاں ہے آہ وہ فطرت شناسِ روزگار
جستجوے راز میں کل تک تھا وقفِ پیچ وتاب　　فکر تیرا آج سے لطفِ سکون سے ہم کنار
تو وہاں سرخوش ہے موجِ کوثر وتسنیم سے　　تشنہ کا مانِ نگاہ فیض ہیں یاں بے قرار
تو وہاں آسودۂ خلوت سرائے قدس ہے　　مشرق ومغرب یہاں ہیں تیری غم میں سوگوار
دید کے قابل ہے یہ ہنگامہ آشوبِ غم　　ہاں دمے بردار سر اکنون زبانیں مزار

آج ہیں سونے پڑے حکمت کے میخانے تمام
خونفشاں ساقی کے غم میں ہیں خُم و میناو جام

اے حیات افروز مشرق یہ تری آرام گاہ — تا قیامت اب رہے گی آستان مہروماہ
لیکے سوغاتیں درودوں کی قطار اندر قطار — نوریاں عرش اُتریں گے یہاں شام و پگاہ
ہاں رہے گی حشر تک اب ضبطِ انوارِ قدس — عارفِ شوریدۂ اسلام کی یہ خواب گاہ
آسمان اس پر کرے گا گوہر انجم نثار — ہوں گے ذرّہ ذرّہ پر اس کے تصدق مہروماہ
چپّہ چپّہ ہوگا اربابِ نظر کی سجدہ گاہ — ذرّہ ذرّہ دیدۂ افلاک کا نورِ نگاہ
ہاں بنے گی مرکزِ سیّار گانِ علم وفن — آفتابِ جلوہ بار شرق کی یہ جلوہ گاہ
تھی پرے کل سرحد ادراک سے منزل تری — کیا خبر ہے آج کس عالم میں تیری پاپگاہ
کون جانے جلوہ فرما آج کس محفل میں ہے — ''گنبد دربستہ'' کے آگے تھی کل تلک تیری راہ
اب کہاں ہے آہ وہ دیوانۂ بالغ نظر — تھی فروغ انگیز مہر وماہ جس کی گردِراہ
ہے عرب سے تا عجم غم میں ترے ماتم سرا — اے نوا پیرائے باغِ قدس ادھر بھی اک نگاہ
اب نہ وہ شور نوا ہے اور نہ پیغامِ حیات — کیا نہیں اب غم فزا اسلام کا حالِ تباہ
تیرے ماتم میں سیہ پوش آج ہے اُمت تمام — ہرلب مومن پہ جوشِ غم سے ہے فریادو آہ
اُف مقدمۂ تھاازل سے یہ غمِ صبر آزما — دیکھتا تھا ایک دن ملّت کو یہ روزِ سیاہ

اُٹھ گیا دنیا سے وہ شوریدۂ خاکد جرم
ہے بجا گر یثرب وبطحا ہوں وقفِ دردوغم

پورا مرثیہ اسی انداز میں شاعر کے رنج وغم کی تصویر ہے۔ایک ایک مصرعہ آج بھی اقبال کے لئے تڑپا دیتا ہے۔یہ مرثیہ ۱۹۳۸ء میں علامہ اقبال کی وفات پر کہا گیا تھا۔اس وقت شاعر کی عمر ۳۲ ربرس تھی۔اس سے شاعر کی عقیدت کے ساتھ قدرت زبان وبیان کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔دوسرے مرثیہ میں بھی شاعر کا رنج وغم کم نہیں ہے:

آہ اقبال

ہونہی ہوتے رہیں گے حشر تک شام وسحر پیدا — نہ ہوگا اب مگر اقبالؔ سا صاحب نظر پیدا
ملا تھا تجھ کو جو روزِ ازل فیضان فطرت سے — کہاں ہر پیکرِ خاکی میں وہ سوزِ جگر پیدا

نہ اٹھا پھر کوئی رمز انا کا عارفِ کامل
ہوا تھا ایک تو ہی خود شناس و خودنگر پیدا

تڑپتا ہی رہے گا ذرّہ ذرّہ خاکِ مشرق کا
تری معجز نوائی نے کیا ہے وہ اثر پیدا

دیا ہے آب وگل کو تو نے وہ درسِ پرافشانی
کئے ہیں قطرۂ شبنم نے بھی اب بال و پر پیدا

کیا ملّت کو پھر ذوقِ یقین سے آشنا تو نے
ترے دم سے ہوئی پھر چشم باطن میں نظر پیدا

ہوئیں تجھ سے نوائے صبح میں کیفیتیں پیدا
دلِ درد آشنا میں لذّتِ آہِ سحر پیدا

زسرتاپا یقین، مست خودی، وقفِ خودآگاہی
کہاں اب دہر میں ہوتے ہیں ایسے باخبر پیدا

"ہزاروں سال نرگس اپنی بےنوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

غم اقبال

اٹھتا ہے کون کہ اُجڑی ہے محفلِ عالم
منا رہا ہے زمانہ یہ آہ کس کا غم

سیاہ پوش ہیں کیوں آج مشرق و مغرب
بچھی ہے کس کے لئے دہر میں صفِ ماتم

عطا ہوئی تھی جو صدیوں کی آرزو دن سے
فغان کہ لُٹ گئی وہ بے بہا متاعِ عجم

شراب خم کدۂ روم جس میں ڈھلتی تھی
ہزار حیف کہ وہ بزم ہوگئی برہم

اٹھا نہ کوئی بھی تجھ سا دیارِ مشرق سے
صدا سے ساز و نواہاے راز کا محرم

ترا ضمیر تھا اسرار کا وہ آئینہ
کہ جس میں عکس فگن تھا، رُخ وجود عدم

تری نظر میں تھا بے پردہ آب وگل کا جمال
تری نگاہ پہ روشن تھی فطرت آدم

پیام بر تھا تو دنیا میں اوج و رفعت کا
کہ تھا تو واقفِ پرواز قطرہ شبنم

ہر ایک حرف میں تیرے تھا نغمۂ الہام
صدا سروش کی تھی یا تری نوائے قلم

حصول عظمت پارینہ کی تمنا میں
رہا ہمیشہ تو ہمت نواز "خسیر اُمم"

تجھے سناتی تھی نغمے نسیم خاک حجاز
کہ تھا غلام غلامانِ سرورِ عالم

جنون نواز تھی از بس ہوائے منزل دوست
اسی کے شو ق میں کرتا تھا نالۂ پیہم

وہی تھی غایتِ آہ و فغانِ نیم شبی
اسی کی خاک تھی مقصود دیدۂ پرنم

کہاں ہے آج وہ سرشارِ دینِ پیغمبر
کہ جس کے شورِ نوا پر فدا تھی خاکِ حرم

یہ مراثی اگرچہ مرثیے کے روایتی فارم میں نہیں ہیں اور غزل مسلسل معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اس سے قطع نظر علامہ اقبال کے حوالے سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ شاعر طرح طرح سے ماتم کرتا ہے لیکن کوئی شعر ایسا نہیں جس میں اقبال کے مرتبے پر حرف آئے، واقعہ یہ ہے کہ اس وقت جب اقبال نے وفات پائی تھی جن خیالات کا اظہار شاعر نے کیا تھا وہ بعد میں تحقیقات کا عنوان بنے۔

ان کے علاوہ یحییٰ اعظمی نے ایک نظم میں اقبال سے خطاب کیا ہے اور بڑے خوب صورت انداز میں اقبال کے فکروفلسفہ کی تشریح اوران کے کارہائے نمایاں کو بیان کیا ہے۔فرماتے ہیں:

خطاب بہ شاعرِ حکیمِ ہند

اے حکیم نکتہ داں اے عارفِ روشن رواں — اے ادیبِ خوش نوا اے شاعر جادو بیاں
اے جلیس بزمِ قدس اے محرم کرو بیاں — اے قرین ماہ و خورائے رہ نوردآسماں
اے مکینِ لامکاں اے خاکی گردون نشیں — اے شرف بخشِ زباں اے مایۂ نازِ زمیں
تیری عظمت ہے ملاتک کے لئے رشک آفریں — تیری رفعت پر تصدّق رفعتِ چرخِ بریں
تیری آب وگل میں ہی بال و پر روح الامیں — تیری بزمِ دل میں ہے پرتو فگن شمعِ یقیں
تیرے بال و پر بنے ہیں اوجِ طوبیٰ کے لئے — فطرتِ روشن تری بزمِ تجلّی کے لئے
ہے ترے شایانِ شاں ذوقِ ہوا ہی لامکاں — ہاں تجھے زیبا ہے پرواز فضائے لامکاں
تنگ ہے فطرت کو تیری یہ حضیضِ خاک داں — پست ہے رفعت کو تیری ، یہ فرازِ آسماں
فرش سے اے آرزوئے مہر و ماہ وکہکشاں — جادہ پیما عرش پر ہوتا ہے تیرا کارواں
کس جہاں کا تو ہے رہرو تیری منزل ہے کہاں — جس کی تو شمع فروزاں ہے وہ محفل ہے کہاں
ہاں تری اس سعی بے پایان کا حاصل ہے کہاں — ہاں ترے اس بحرِ بے ساحل کا ساحل ہے کہاں

گو ہے تو خاکی مگر ہم دوشِ مہر و ماہ ہے
تیرے سینے میں ودیعت اک دلِ آگاہ ہے

تو ہے سرتاپا قتیلِ آرزوئے زندگی
تو ازل سے ہے شہیدِ جستجوئے زندگی

تیری ہر موجِ نفس رمز آشنائے زندگی
تیرا ہر تارِ نفس سازِ نوائے زندگی

تیرے دم سے ضوفشاں شمعِ تجلائے حیات
دہر میں تیری بدولت دورِ صہبائے حیات

ہے تیرا ہی جرعہ کش رندِ خرابِ زندگی
ہے تجھی سے مرتعش تارِ ربابِ زندگی

تیرا ہر پیغام اک تعبیر خوابِ زندگی
تیرا ہر ہر حرف تفسیر کتابِ زندگی

آشکارا تجھ سے حسنِ بے حجابِ زندگی
ذرّہ ذرّہ میں رخشاں آفتابِ زندگی

اے سراپا ملتِ بیضا کو پیغامِ خودی
حاملِ گنجینۂ اسرار و الہامِ خودی

اے نقیبِ دور نوائے ساقیٔ جامِ خودی
کیوں نہ ہوں تیری دعاگو جرعہ آشامِ خودی

اے خرابِ ہوش مندائے بےخود جامِ خودی
تیری ہر نفس سرشارِ الہامِ خودی

اے سراپا دفترِ آیات و احکامِ خودی
تیرا ہر شورِ نوا دنیا کو پیغامِ خودی

اس طرح تونے سنوارا طرۂ شامِ خودی
آج عالم ہے اسیرِ حلقۂ دامِ خودی

اس قدر تونے اچھالا دہر میں نامِ خودی
آج معراجِ نظر ہے جلوۂ بامِ خودی

تیری فطرت پر کیا فطرت نے اتمامِ خودی
تو ہی آغازِ خودی ہے تو ہی انجامِ خودی

ہر نوائے راز تیری کوثرِ کامِ خودی
ہر نگاہِ مست تیری بادۂ جامِ خودی

گو تیرے زیرِ قدم ہے رفعت بامِ خودی
ہے سکوں ناآشنا پھر بھی ترا گامِ خودی

تونے کردی جلوہ آرا اس طرح شامِ خودی
بے خود دن کو آگئی پھر یادِ ایامِ خودی

اے تیرا حرفِ روشن دُرِ شہوار خودی
اے تیرے دم کی بدولت گرم بازارِ خودی

سرخوشِ جامِ خودی، سرمست و سرشارِ خودی
محرمِ رازِ خودی، مفتاحِ اسرارِ خودی

ہے تیرے سینے میں وہ برقِ شرر بارِ خودی
بزمِ گیتی بن گئی ہے طور انوارِ خودی

اے سراپا معنی الہام تیری شاعری
اے سراپا محشرِ پیغام تیری شاعری

جادۂ سرچشمۂ عرفاں ہے تیری شاعری　　بادۂ خم خانۂ ایماں ہے تیری شاعری

تیرا ہر پیغام اے گرمِ نوائے شاعری　　مادر اے شاعری ہے مادر اے شاعری
حدِّ اعجازِ سخن ہے یہ تیری افسوں گری　　حق ہے گر اس کو کہیں جز دیست از پیغمبری
اے نوا پیر اے باغِ قدس تیری نوا　　کاررواںِ زندگی کے واسطے بانگِ درا
تیرا اک حرف نقشِ نامۂ جاوید ہے　　اک پیام نو بہار گلشنِ امید ہے
تو ہے گویا اہلِ مغرب کو یہ مشرق کا پیام　　ہم بھی ہیں اب عرصۂ ہستی میں مصروفِ خرام
مٹ چکا اب وہ خمارِ لذتِ شُربِ مدام　　اب یہاں بھی ہورہا ہے زندگی کا اہتمام
ایشیا اب پھر شرابِ شوق سے سرشار ہے　　مشرقِ خوابیدہ اب پھر خواب سے بیدار ہے
اک حیاتِ نو ہے پیدا عالمِ اسلام میں　　رونما ہے نہضتِ تازہ حجاز و شام میں
وقتِ ماتم اے کمندِ کاکلِ صیاد ہے　　اب ترے فتراک سے مرغِ حرم آزاد ہے
آسمان کی سیر کرتی ہے تری فکرِ بلند　　ہیں مہ و مہر و کواکب سب گرفتارِ کمند
پر فشاں ہر لحظہ تیری فکر گردوں تاز ہے　　اللہ اللہ یہ تخیل کی ترے پرواز ہے
پاں وہاں روشن تری تخئیل کی قندیل ہے　　پرفشانی سے جہاں قاصر پرِ جبرئیل ہے
خامۂ رنگین تر، مصروف تعمیر حیات　　نامۂ خونیں ترا منشور تدبیر حیات
مدّعا تیرا ہے کیا ؟ تعظیم و توقیرِ حیات　　فلسفہ تیرا ہے کیا ؟ توضیح و تفسیر حیات
داستانِ عہد ماضی ہو اگر زیبِ رقم　　ہے ترا زورِ قلم معمارِ تقدیرِ امم
جس کی ہر اک سطرِ زیبا طرۂ تاجِ حیات　　صفحۂ قرطاس جس کے دم سے معراجِ حیات
تیری اس فطرت بلندی سے کسے ہے اختلاف　　تیری اس رفعت پسندی سے کسے ہے اختلاف
ہاں مگر اے فیلسوف و شاعر جادو طراز　　تیری خدمت میں مری اک عرض ہے باصد نیاز
یہ گہرہائے درخشاں صرف تیری قال ہیں　　تیری فطرت کے رخِ روشن کے خط وخال ہیں
دوسرا رخ ہے ابھی تک تشنۂ بحث ونظر　　اک نظر اس پر بھی ہاں تیری اجازت ہو اگر

بارگاہِ علم میں گر ہو یہ گستاخی معاف — تیری دنیائے عمل کا بھی ذرا کرلو طواف
دیکھتا کیا ہوں کہ ہے اک دشت ناپیدا کنار — جس میں کوسوں تک نہیں ملتا نشانِ سبزہ زار
کارواں کیا مل نہیں سکتا یہاں اک نقشِ پا — یہ زمیں ہے آج تک بیگانۂ بانگِ درا
راہرو کوئی یہاں محو سبک رانی نہیں — کوئی اعرابی یہاں وقفِ حدی خوانی نہیں
کچھ نظر آتے نہیں ہیں اس میں آثارِ حیات — کوئی ذرّہ تک نہیں سرگرمِ پیکارِ حیات
رخ ادھر کرتا نہیں ابر گہر بارِ حیات — نامیہ یاں ہو نہیں سکتا ہے معمارِ حیات
نام کو اس میں نہیں ہے اضطرابِ زندگی — حکمراں ہے اس کے ہر گوشہ پہ خوابِ زندگی
اس دیارِ خواب وخور میں زہر ہے جوشِ عمل — اس خراباتِ وفا میں ننگ ہے ہوشِ عمل
کیا اٹھے اس خاکِ دامنگیر میں پائے طلب — آ کے یاں کھویا گیا خود جادہ پیمائے طلب
جس کے نغمے تھے نقیبِ مقدمِ فصلِ بہار — آہ وہ مرغِ چمن اب ہے خزاں کا سوگوار
برق کو جس نے سکھائی شوخیٔ طرزِ خرام — آہ وہ خود منزلِ ہستی میں ہے اب سست گام
رہبری کرتا تھا سوئے عرش جس کا نقشِ پا — آہ اب وہ جا رہا ہے جانبِ تحت الثریٰ
رخ ہے نغموں کا فضائے عالمِ جاں کی طرف — پانوں اٹھتے ہیں حفیض بزمِ امکاں کی طرف
جو پڑھاتا تھا صداقت کا عدالت کا سبق — جو ہمیں دیتا تھا دنیا کی امامت کا سبق
مل رہا ہے اب اسی سے ضعفِ ہمت کا سبق — دیر پا ہے اب وہی فسخ عزیمت کا سبق
جس کا ہر نغمہ تھا اسلامی اخوت کا پیام — ہر نوا تھا جس کی عالمگیر وحدت کا پیام
اب عمل سے دے رہا ہے وہ پیامِ انتشار — ملتِ بیضا کے غم میں اب نہیں وہ دلفگار

اے بہار باغِ ملّت طوطی گلزارِ ہند — آفتاب اوجِ مشرق یوسف بازارِ ہند
گوہرِ عمانِ فن ، شمعِ شبستانِ کمال — شمسۂ ایوانِ فن ، شیر نیستانِ کمال
اے حیات افروز ملّت ، اے حدی خوانِ وطن — اے فروغِ دیدۂ اسلام ، اے جانِ وطن
اس طرح نغموں سے تیرے بزمِ جاں معمور ہے — تیری الفت کے لئے ہر اہل دل مجبور ہے

آج تو کُل ملّتِ اسلام کا محبوب ہے بلکہ مشرق کی تمام اقوام کا محبوب ہے
آج مسجود نظر ہے تیرا ہر نقشِ قدم کیوں نہ تڑپے دل اگر اٹھے غلط تیرا قدم
کاش ہو جاتا یہ تجھ پر راز پنہاں آشکار بے سبب ہرگز نہیں یہ نالۂ بے اختیار
اس فغانِ درد کی شاہد محبت ہے تری اس نوائے تلخ کا باعث عقیدت ہے تری
یہ نہیں تعریض ، دل کے درد کا افسانہ ہے
اک آہِ مضطرب ، اک اشکِ بے تابانہ ہے

ایک اور طویل نظم ''شاعرِ مشرق اور فلسفہ حیات ملی'' یحییٰ اعظمی کے دیوان کی زینت ہے۔ یہ فلسفیانہ نظم بھی اپنے اندر بڑا سوز و گداز رکھتی ہے اور اقبال کے فلسفہ حیات ملی کو سمجھنے میں ممد و معاون ہے۔ فرماتے ہیں:

شاعرِ مشرق اور فلسفہ حیاتِ ملّی

مدتوں سے سرد تھا خونِ حیات مضمحل رخسار گلگونِ حیات
مست و افسردہ قوائے زندگی مردہ روح ارتقائے زندگی
بجھ گئی تھی آتشِ سوزِ دروں نام کو باقی نہ تھا ذوقِ جنوں
بے سرور و نور مینائے خودی بے کلیم و طور سینائے خودی
پست و رسوا طبعِ عالی فطرتی کارفرما ہر طرف دون ہمتی
بندگانِ حق طلب ناحق شناس غیر محکم دین و ملت کی اساس
کاروانِ سرگشتہ منزل بے نشاں مست و خوابیدہ امیرِ کارواں
راہ گم کردہ جہت نا آشنا سعی مقصد تھی نہ جہدِ مدّعا
ملّتِ اسلام مفقود المقام بے یقین و بے نظام و بے امام
کر چکے تھے جان و دل جس پر فدا لٹ چکی تھی وہ متاعِ بے بہا
وقفِ ماتم ہند میں اسلام تھا شکوہ سنج گردشِ ایام تھا
اب کہاں وہ دل میں سوزِ آرزو اب کہاں سرشاری لا تقنطوا

کیا نہیں یہ درد و ماتم کا مقام | ملّتِ بیضا ہو غیروں کی غلام
کیا یہ آشوبِ قیامت سے ہے کم | محرمِ اغیار ہو پیرِ حرم
رہ گیا تھا بزمِ میں اب یادگار | بادۂ دوشینہ کا کیف و خمار
منتظر تھے رند دورِ جام کے | ساقیٔ رنگیں کے فیضِ عام کے
تھی ضرورت قوم کو پیغام کی | سوز و سازِ نغمۂ الہام کی
شاعرِ ہندوستاں پیدا ہوا | بلبلِ مشرق نوا پیرا ہوا
ماحیٔ قید مقام و مرز بوم | ہند سے اٹھا قتیلِ پیر روم
مست صہبائے خمستانِ حجاز | ساقیٔ یثرب کا رند پاکباز
آشنائے رمز دیں دانائے راز | پرتوِ شمعِ یقیں وقفِ گداز
محرمِ سرِّ ازل ہمرازِ قدس | ہر زماں آمادۂ پرواز قدس
عاقل و فرزانۂ سرشارِ دیں | بیخود و دیوانۂ ہشیار دیں
کاشفِ صد عقدۂ اسرار دیں | واقفِ صد نکتۂ اخبارِ دیں
عاشق و مست و حکیم و فیلسوف | صد نکات آموز اربابِ وقوف
بزمِ اسرار و معارف کا چراغ | عارفِ روشن دل و روشن دماغ
محرمِ سرِّ خودی و آگہی | رازدانِ نکتۂ فقر و شہی
بحرِ ناپیدا کنار علمِ دیں | ہند میں سرمایہ دارِ علم دیں
قلزمِ موّاجِ اسرار و حکم | قطرہ جس کے فیض سے عمان ویم
بادۂ تبریز کا ذوق آشنا | حکمت و اسرار کا عقدہ کشا
ہم نوائے شاعر المانوی | نغمہ سنجِ بوستانِ معنوی
سرور و آقائے یثرب کا غلام | حکمت آموزانِ مغرب کا امام
میکشِ پیمانۂ سرِّ علوم | سرخوش خم خانۂ تبریز و روم
محفلِ ایمان کی شمعِ جلوہ ریز | ساغر دل کی شراب تند و تیز

سینہ جس کے نور سے روشن تمام
جلوہ افساں ہند کے مینا و جام

محوِ حیرت عقل دانائے فرنگ
بے بصیرت چشم بینائے فرنگ

بے فروغِ بادۂ مینائے فرنگ
بے مذاقِ نشہ صہبائے فرنگ

منزلِ عرفان میں رومی کا رفیق
ساقیِ تبریز کا مستِ رحیق

فرش پر محوِ خیال عرش رس
عرش پر قدوسیوں کا ہم نفس

فرش پر سینا درازی کا مثیل
عرش پر قدسی و رومی کا قتیل

صاحبِ جاوید و بال جبرئیل
بہر سیر لامکان بانگِ رحیل

بے خبر ، مستِ نظر ، گرمِ سفر
ہم عنانِ ماہ و خور افلاک پر

رہ نورد و آسمانِ بیکراں
رونقِ بزمِ جہانِ دیگراں

اے فلک پر جلوہ آرائے شہود
آب و رنگِ محفلِ ذکر سجود

بزمِ جاں میں کاشفِ سرِّ وجود
ترجمانِ کائناتِ ہست و بود

فاش تجھ سے سینۂ آدم کا راز
فطرتِ بے تاب کا سوز و گداز

تیرے دم سے خاکیانِ مستمند
ارجمند و بہرہ مند و سربلند

اللہ اللہ یہ کمالِ آب و گل
اللہ اللہ یہ عروجِ خاکِ دل

خاک کا ہر ذرّہ رشکِ مہر و ماہ
انجم و افلاک کی جانِ نگاہ

آشنائے فطرتِ شمس و قمر
روشن و تابندہ و پائندہ تر

اے نوا پیرائے گلزارِ اَنا
اے سراپا ساز بیدار اَنا

تیرا ہر تارِ نفس تارِ اَنا
ہر نگاہِ مست سرشارِ اَنا

اے سراپا آرزو مندِ حیات
سرخیِ خوں سے حنا بندِ حیات

زندگی تیری کمالِ زندگی
آئینہ دارِ جمالِ زندگی

تو نے چھیڑا اس طرح تار رباب
لوٹ آیا عہدِ رفتہ کا شباب

ہو گیا ہے حسن ہستی بے حجاب
ضوفگن ذروں میں ہے پھر آفتاب

تو نے سکھلا دی ہے وہ خوے حیات
موجزن رگ رگ میں ہے وجہِ حیات

ہے تلاطم خیز خونِ زندگی
شور افزا ہے جنونِ زندگی

آتشِ سیّال ہے خونِ جگر
ہر لہو کی بوند ہے برق و شرر

زندگی ہے آشنائے بال و پر
ہوگئی ہے نبضِ ہستی تیز تر

دوڑتی ہے بن کے برقِ اضطراب
ذرّہ ذرّہ میں شعاعِ آفتاب

تیری فطرت ہے طپش آموز برق
اے ز سرتاپا حیات افروز شرق

صبح روشن کی طرح بیدار ہے
تجھ سے مشرق عالمِ انوار ہے

تیری ہستی ایشیا کی آبرو
ملّتِ مشرق کی جانِ آرزو

تو ہے مشرق کا وہ روشن آفتاب
جس کی کرنوں سے ہے مغرب فیض یاب

ملّتِ اسلام کا روشن دماغ
عالمِ توحید کا چشم و چراغ

آج تک تازہ ہے تجھ سے اے حکیم
ہند میں افسانۂ طور و کلیم

گرچہ خود پیغمبر خاور ہے تو
والہ و شیدائے پیغمبر ہے تو

ہے تلاشِ کوچۂ دلبر تجھے
خاکِ یثرب خلد سے خوشتر تجھے

اے ازل سے درد مندِ زندگی
خون دل سے نقش بندِ زندگی

ہر نوا تیری نوائے سرمدی
پر نفس سرشار اعجازِ خودی

قالبِ بے روح میں جاں آفریں
جانِ بے ارماں میں ارمان آفریں

کافرِ ہندی میں ایمانِ آفریں
اے دلِ مومن میں عرفان آفریں

دیدۂ مسلم میں طوفاں آفریں
آفریں مردِ مسلماں آفریں

رمزِ قرآں فلسفہ دانی تیری
نغمۂ عرفان حدی خوانی تیری

شاعری تیری نہیں الہام ہے
خاکیوں کو عرش کا پیغام ہے

حاملِ قرآن تری تعلیم ہے
راز دانِ ''احسن تقویم'' ہے

ملّتِ یک جسم و جاں صد نیم ہے
تو سراپا دعوتِ تنظیم ہے

کیا پریشانی سے ملّت کو گزند — ہے ترا تارِ نوا شیرازہ بند
گاہ مستِ نغمۂ رنگیں ہے تو — گاہ وقفِ نالۂ خونیں ہے تو
گاہ ہے تو قاصدِ فصلِ بہار — گاہ ہے دور خزاں کا سوگوار
گاہ محو نوحۂ درد آفریں — گاہ سرگرمِ نوائے آتشیں
گاہ ٹپکاتی ہے تیری چشم تر — صفحۂ طاس پر لعل و گہر
گاہ تیرا معرکہ آرا قلم — نوحہ خوانِ عظمتِ خیرالامم
گاہ تیرا خامۂ معجز نگار — برقِ فطرت مثلِ تیغِ آبدار
گاہ تیرے دیدہ ہائے خونچکاں — وقفِ تعمیر حیات جاوداں
گاہ تیری آہِ سوزان کے شرار — زندگی کے قصر کے نقش و نگار
گاہ پہنچاتا سرِ عرشِ بریں — تیراشور **لا اُحِــبُّ الافــلیــن**
آہ پھر بھی امّتِ خیر البشرؐ — ہے مئے غفلت سے مست و بےخبر
ہے وہی شغلِ مے و مینا و جام — اب بھی طاری ہے گران خوابی وہی
لذّتِ آہِ سحر گاہی نہیں — حق شناسی و خود آگاہی نہیں
جذبۂ و احساسِ خود داری نہیں — اضطراب ذوقِ بیداری نہیں
آہ کیا اس ملّتِ خوابیدہ کو — آہ کیا اب مسلمِ شوریدہ کو

حاجتِ پیغمبر و جبریل ہے
انتظارِ صورِ اسرافیل ہے

جذبہ واحساس کے بیکراں دریا کے یہ موتی یحییٰ اعظمی کی نہ صرف بلند رتبہ شاعری کے نمونے ہیں بلکہ اقبال سے ذہنی وجذباتی لگاؤ کے غماز بھی ہیں۔ ابتک اقبالیاتی مطالعات میں ان کو جگہ نہیں مل سکی ہے مگر یہ جذبات واحساسات اس لائق ہیں کہ ان کا ذکر بطور خاص کیا جائے۔

حوالے

(۱) گاہے گاہے باز خواں ص۶۸

(۲) گاہے گاہے باز خواں......... ص۶۵

اقبال اور ماہنامہ معارف

علامہ شبلی دارالمصنّفین سے ایک علمی رسالہ جاری کرنے کے خواہش مند تھے۔ اس کا نام ''معارف'' بھی وہ تجویز کر چکے تھے۔ اس کا خاکہ بھی وہ بنا گئے تھے۔ جس میں اس کے مقاصد اور خصوصیات کی تفصیل بھی شامل ہے۔ ان کی وفات کے بعد جولائی ۱۹۱۶ء میں مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے استاذ کی خواہش کی تکمیل میں یہ رسالہ جاری کیا تو علامہ اقبال نے اس سے پوری دلچسپی لی۔ اس کا مطالعہ بھی وہ بڑی دلچسپی سے کیا کرتے تھے۔ مولانا سید سلیمان ندوی کے نام ان کے خطوط سے اس کی تفصیلات کا اندازہ ہوتا ہے۔ انہوں نے ایک خط میں معارف کے متعلق لکھا ہے کہ: ''یہی تو ایک رسالہ ہے جس کے پڑھنے سے حرارت ایمانی میں ترقی ہوتی ہے۔'' (۱) اسی طرح ایک اور خط میں لکھا ہے کہ معارف مجھے خاص طور پر محبوب ہے۔ (۲) معارف اور اس کے فاضل مدیروں نے اقبال اور اقبالیات کو ہمیشہ اہمیت دی۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ مطالعہ اقبال کا آغاز صحیح معنوں میں ماہنامہ معارف ہی سے ہوا۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے کسی شخص کے خط کے جواب میں لکھا ہے کہ ''معارف کو ڈاکٹر اقبال کی خدمت میں ہمیشہ سے نیاز حاصل تھا اور ہے، شاید آپ کو معلوم نہ ہو کہ بانگ درا کی اشاعت کے لئے جہاں اور ہزاروں شایقین کی فرمائشیں ہوں گی وہاں اڈیٹر معارف کی تحریک کو بھی دخل ہے، اسرار خودی کے انگریزی ترجمہ پر انگریزی میں جس قدر تقریظیں نکلیں وہ معارف ہی کی بدولت اردو میں پھیلیں اور آپ نے بھی انہی کا آخر حوالہ دیا ہے۔'' (۳)

معارف کی اقبال شناسی کے درج ذیل پہلو ہیں:

[۱] کلام اقبال کی اشاعت

[۲] مکتوبات اقبال کی اشاعت

[۳] تجاویز اور مشورے

[۴] تصانیف اقبال اور فکر اقبال پر مضامین و مقالات کی اشاعت۔

[۵] اقبالیات پر لکھی جانے والی کتابوں کا مطالعہ و تجزیہ

[۶] منظوم خراج عقیدت

[۱] علامہ اقبال نے مدیر معارف مولانا سید سلیمان ندوی کی خواہش پر کئی تازہ تخلیقات معارف میں اشاعت کے لئے بھیجیں۔ان کی پہلی غزل جو ترانہ اقبال کے عنوان سے جون ۱۹۱۸ء میں معارف میں شائع ہوئی وہ یہ ہے:

نہ سلیقہ مجھ میں کلیم کا نہ قرینہ تجھ میں خلیل کا — میں ہلاک جادوئے سامری تو قتیل شیوہ آذری

میں نوائے سوختہ در گلو تو پریدہ رنگ رمیدہ بو — میں حکایت غم آرزو تو حدیث ماتم دلبری

مرا عیش غم، مرا شہد سم، مری بود ہم نفس عدم — ترا دل حرم گرد عجم، ترا دیں خریدۂ کافری

تری راکھ میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر — کہ جہاں میں نان شعیر پر ہے مدار قوت حیدری

کوئی ایسی طرز طواف تو مجھے اے چراغ حرم بتا — کہ ترے پتنگ کو پھر عطا ہو وہی سرشت سمندری

گلہ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہل حرم سے ہے — کسی بتکدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

کرم اے شہ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظر کرم — وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنہیں دماغ سکندری

یہ غزل بانگ درا میں ''میں اور تو'' کے عنوان سے شامل ہے اور اس میں دو اشعار کا اضافہ ہے۔

دم زندگی ، رم زندگی غم زندگی ، سم زندگی
غم رم نہ کر، سم غم نہ کھا کہ یہی ہے شان قلندری
نہ ستیزہ گاہ جہاں نئی ، نہ حریف پنجہ فگن نئے
وہی فطرت اسد الٰہی ، وہی مرحبی وہی عنتری

اس غزل کے چوتھے شعر میں ''تری راکھ'' کی جگہ بانگ درا میں ''تری خاک'' کر دیا گیا ہے۔

اقبال کا دوسرا کلام جو ماہنامہ معارف [اکتوبر ۱۹۱۹ء] میں شائع ہوا، وہ ان کی ایک چھوٹی سی نظم ''پولٹیکل گداگری'' ہے۔ نظم کا یہ نام علامہ اقبال کی خواہش پر مولانا سید سلیمان ندوی کا دیا ہوا ہے، جسے علامہ اقبال نے اولاً پسند کیا مگر بعد میں بانگ درا میں جب شامل کیا تو عنوان بدل کر ''دریوزہ خلافت'' کر دیا۔ دہ نظم یہ ہے:

بہت آزمایا ہے غیروں کو تو نے — مگر آج ہے وقت خویش آزمائی
نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا — خلافت کی کرنے لگا تو گدائی
خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے — مسلمان کو ہے ننگ وہ پادشاہی
مرا از شکستن چنیں عار ناید — کہ از دیگراں خواستن مومیائی

بانگ درا میں اس کا پہلا شعر یہ ہے:

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جائے
تو احکام حق سے نہ کر بے وفائی

اس کے بعد اگست ۱۹۲۳ء میں اقبال کی مشہور فارسی غزل جس کا آغاز اس مصرعہ سے ہوا ہے:

درہم و دینار من دولت بیدار من

''نغمہ ساربان حجاز'' کے عنوان سے شائع ہوئی۔ اسی طرح فروری ۱۹۲۴ء کے ماہنامہ معارف میں ''خلافت اور ترک وعرب'' کے عنوان سے گرامی کی غزل پر اقبال کی تضمین شائع ہوئی ہے۔ چار اشعار پر مشتمل اس تضمین کا پہلا شعر یہ ہے:

سخنے راندہ کہ جز قرشی
بر سر مسند نبی نہ نشست

ممکن ہے اس کے علاوہ بھی کلام اقبال معارف کی زینت بنا ہو اور راقم کی نظر میں نہ

آسکا۔

[۲] علامہ اقبال نے مدیر معارف مولانا سید سلیمان ندوی کے نام متعدد خطوط لکھے جن کی تعداد ستر ہے۔ معارف نے اقبال کے جو خطوط شائع کئے ہیں۔ ان کی تعداد ۶۲ ہے۔ یہ خطوط معارف میں اپریل ۱۹۵۴ء سے مارچ ۱۹۵۵ء کے درمیان شائع ہوئے ہیں۔ اس کے بعد دارالمصنّفین نے ''مشاہیر کے خطوط'' میں انہیں شامل کر کے شائع کیا۔ چونکہ اقبال نامہ مرتبہ شیخ عطاء اللہ میں مولانا سید سلیمان ندوی کے نام ستر خطوط شامل کئے تھے۔ اس لئے طاہر تونسوی نے اپنی کتاب اقبال اور سید سلیمان ندوی میں انہیں شامل کیا۔ وہ آٹھ خطوط دارالمصنّفین نے اپنے مجموعہ میں کیوں شامل نہیں کیا اب تک واضح نہیں۔

معارف میں اقبال کا ایک اہم خط جونکلسن کے نام انگریزی میں لکھا گیا تھا، اس کا اردو ترجمہ اکتوبر ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا ہے۔ یہ ترجمہ کس نے کیا معلوم نہیں، البتہ یہ اہم خط ڈکنسن کے اعتراضات کے جواب میں ہے۔ رموز بے خودی کے مطالعہ و جائزہ میں اس خط کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ اقبال نے اس میں متعدد وضاحتیں کی ہیں۔

[۳] معارف کے شذرات میں معارف کے مدیروں نے وقتاً فوقتاً علمی، ادبی اور تاریخی موضوعات پر مفید آراء و تجاویز پیش کی ہیں۔ اقبال کے سلسلے میں محض ایک تجویز کا ذکر جنوری ۱۹۲۲ء کے شذرات میں ملتا ہے۔ اس زمانہ میں مسلم یونیورسٹی نے شاہزادہ ولی عہد برطانیہ، گورنر صوبہ متحدہ، ممبر تعلیمات حکومت ہند، مہاراجہ گوالیار اور نواب صاحب رام پور کو ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگریاں دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے اس پر سخت تنقید کی اور مشورہ دیا کہ اصلاً اس اعزاز کے مستحق سید امیر علی، عماد الملک سید حسین بلگرامی، ڈاکٹر اقبال، جسٹس عبدالرحیم اور عبدالحلیم شرر وغیرہ ہیں۔

دسمبر ۱۹۲۴ء میں مسلم یونیورسٹی نے سید امیر علی اور ڈاکٹر محمد اقبال کو اعزازی ڈگری دینے کا اعلان کیا تو اس پر جنوری ۱۹۲۵ء کے معارف میں مسرت کا اظہار کیا گیا کہ ماہ نامہ معارف ہی نے یہ تجویز پیش کی تھی۔ واضح رہے کہ جنوری ۱۹۲۵ء کے معارف کے شذرات

مولانا عبدالسلام ندوی کے قلم سے ہیں۔

۱۹۲۳ء میں ڈاکٹر اقبال کو ''سر'' کا خطاب ملا۔ معارف میں اس کا بھی ذکر ہے۔

[۴] افکار اقبال کے مطالعہ کا آغاز معارف کی ابتدائی جلدوں میں ہوا۔ اپریل ۱۹۱۸ء میں مولانا سید سلیمان ندوی نے رموز بے خودی پر تبصرہ کیا پھر نکلسن اور ڈکنسن کے مضامین کا اردو ترجمہ شائع کیا۔ خضر راہ اور بعض دوسری نظموں پر مولانا سید سلیمان ندوی نے نوٹ لکھے اور یہ کوشش کی کہ علامہ اقبال کے افکار پر بحث وتحقیق کا آغاز ہو۔ چنانچہ ان کی ان کوششوں کے مثبت نتائج سامنے آئے۔ خود اقبال نے وضاحتی وتشریحی خطوط مدیر معارف کو لکھے اور پھر معارف کے ذریعہ فکر وفلسفہ اقبال کے مطالعے کا ایک نیا دور شروع ہوا۔

ماہنامہ معارف نے عہد سلیمانی سے لے کر اب تک اقبال کی سوانح، شاعرانہ عظمت اور ان کی فکر وفلسفہ پر بے شمار مضامین ومقالات شائع کئے ہیں۔ افادیت کے پیش نظر یہاں ان کی فہرست درج کی جاتی ہے۔

۱۔ رموز بے خودی	سید سلیمان ندوی	اپریل ۱۹۱۸ء
۲۔ ڈاکٹر اقبال کی اسرار خودی کا ترجمہ		مارچ ۱۹۲۱ء
۳۔ کلام اقبال	ای ایم فارسٹر	مئی ۱۹۲۱ء
۴۔ شذرات	سید سلیمان ندوی	اگست ۱۹۲۱ء
۵۔ اسرار خودی	پروفیسر ڈکنسن	ستمبر ۱۹۲۱ء
۶۔ اسرار خودی اور ڈاکٹر اقبال	پروفیسر نکلسن	اکتوبر ۱۹۲۱ء
۷۔ خضر راہ	سید سلیمان ندوی	مئی ۱۹۲۲ء
۸۔ شذرات	سید سلیمان ندوی	جون ۱۹۲۳ء
۹۔ فلسفہ اقبال	اکرام الحق سلیم	جنوری ۱۹۲۶ء
۱۰۔ کلیات اقبال	مولوی عبدالرزاق	جون ۱۹۲۶ء
۱۱۔ ڈاکٹر اقبال کی اردو	محمد محمود زماں خاں	مئی ۱۹۲۸ء

نمبر	عنوان	مصنف	تاریخ
۱۲۔	اقبال اور ٹیگور	سید مقبول حسین	مارچ ۱۹۳۲ء
۱۳۔	ضرب کلیم	محمد بشیر الحق	اپریل ۱۹۳۷ء
۱۴۔	شذرات	سید سلیمان ندوی	مئی ۱۹۳۸ء
۱۵۔	اقبال کے چند جواہر ریزے	پروفیسر خواجہ عبد الحمید	اگست ستمبر ۱۹۳۸ء
۱۶۔	اقبال اور برگساں	مولانا عبد السلام خاں	فروری تا اپریل ۱۹۴۱ء
۱۷۔	سر اقبال مرحوم اور ان کی شاعری	ڈاکٹر حفیظ سید	جنوری ۱۹۴۲ء
۱۸۔	ایران بعہد ساسانیاں	مترجم ڈاکٹر محمد اقبال	اپریل ۱۹۴۲ء
۱۹۔	متاع اقبال	ابو ظفر عبد الواحد	نومبر ۱۹۴۲ء
۲۰	کلام اقبال کی دقتیں اور ان کی تشریح کی ضرورت	ڈاکٹر سید عبد اللہ	مارچ اپریل ۱۹۴۴ء
۲۱۔	اقبال انا اور تخلیق	خواجہ عبد الحمید	نومبر ۔ دسمبر ۱۹۴۴ء
۲۲۔	زمانہ حاضر کا انسان اور اقبال	ڈاکٹر میر ولی الدین	جون ۱۹۴۵ء
۲۳۔	اقبال ۔ انا اور تخلیق	اسد ملتانی	جولائی ۱۹۴۵ء
۲۴۔	اقبال کے تصور خودی کا ماخذ	بشیر مخفی قادری	ستمبر ۱۹۴۵ء
۲۵۔	فلسفہ اقبال کا مرکزی خیال وحدت و حرکت	شوکت سبزواری	فروری ۱۹۴۶ء
۲۶۔	اقبال اور سیاسیات	ڈاکٹر سید عبد اللہ	مارچ ۔ اپریل ۱۹۴۶ء
۲۷۔	اقبال کا فلسفہ خودی	مولانا عبد السلام ندوی	اپریل تا اکتوبر ۱۹۴۷ء
۲۸۔	امام المسلمین کا حکم تشریعی اور......	مولانا عبد السلام ندوی	مئی ۱۹۴۷ء
۲۹۔	ڈاکٹر اقبال اور روح و جسم کا اتحاد	محمد اسلم سلیم	جون ۱۹۴۷ء
۳۰۔	اقبال اور تصور فقر	ڈاکٹر میر ولی الدین	جولائی ۱۹۴۸ء
۳۱۔	اقبال کے اخلاقی تصورات	مولوی عبد السلام خاں	جنوری ۱۹۴۹ء

۳۲۔ اصلاحاتِ اقبال	بشیر الحق دسنوی	اگست-ستمبر ۱۹۴۹ء
۳۳۔ Parsian Psalms	آرتھر جے	نومبر ۱۹۴۹ء
۳۴۔ کیا اقبال فرقہ پرست شاعر تھے۔	شاہ معین الدین احمد ندوی	جنوری فروری ۱۹۵۰ء
۳۵۔ اقبال اور برگساں	ڈاکٹر عشرت حسن انور	مئی ۱۹۵۱ء
۳۶۔ اقبال و نطشے	ڈاکٹر عشرت حسن انور	جون-جولائی ۱۹۵۱ء
۳۷۔ اقبال اور جیمس وارڈ	ڈاکٹر عشرت حسن انور	اگست، اکتوبر، نومبر ۱۹۵۱
۳۸۔ اقبال اور وائٹ ہیڈ	ڈاکٹر عشرت حسن انور	دسمبر ۱۹۵۱ء و جنوری ۱۹۵۲ء
۳۹۔ روحِ اقبال	یوسف حسین خاں	جنوری ۱۹۵۳ء
۴۰۔ اصلاحاتِ اقبال	بشیر الحق دسنوی	اگست ۱۹۵۳ء
۴۱۔ نقدِ اقبال	میکش اکبر آبادی	دسمبر ۱۹۵۳ء
۴۲۔ اقبال رومی اور ولیم جیمس	ڈاکٹر عشرت حسن انور	فروری ۱۹۵۴ء
۴۳۔ اقبال رومی اور برگساں	ڈاکٹر عشرت حسن انور	مارچ ۱۹۵۴ء
۴۴۔ اقبال رومی اور شنکر اچاریہ	ڈاکٹر عشرت حسن انور	جون، اگست ستمبر ۱۹۵۴
۴۵۔ اقبال کی ریاست	مولانا عبد السلام خاں	اکتوبر-نومبر ۱۹۵۴ء
۴۶۔ مکاتیبِ اقبال	بنام نیاز الدین خاں	ستمبر ۱۹۵۵ء
۴۷۔ ذکرِ اقبال	عبد المجید سالک	فروری ۱۹۵۶ء
۴۸۔ اقبال کا پیغامِ عمل	مرزا صفدر علی	جون ۱۹۵۷ء
۴۹۔ اقبال کا فوق البشر	مرزا صفدر علی	اکتوبر ۱۹۵۷ء
۵۰۔ اقبال اور حدیثِ نبوی	ڈاکٹر اکبر حسین قریشی	جولائی ۱۹۶۱ء
۵۱۔ علامہ اقبال اور تصورِ زماں کی ترجمانی	شبیر احمد خاں غوری	اگست ۱۹۶۱ء
۵۲۔ حدیثِ اقبال	طبیب عثمانی	فروری ۱۹۶۲ء
۵۳۔ اسرار اور رموز پر ایک نظر	محمد عثمان	اپریل ۱۹۶۲ء

۵۴۔ اقبال کے آخری دو سال	عاشق حسین بٹالوی	اپریل ۱۹۶۲ء
۵۵۔ علامہ اقبال اور مسئلہ زماں	شبیر احمد خاں غوری	جون۔ جولائی ۱۹۶۲ء
۵۶۔ موازنہ اقبال اور غالب	ڈاکٹر عبدالمغنی	اکتوبر۔ نومبر ۱۹۶۳ء
۵۷۔ روائع اقبال	سید ابوالحسن علی ندوی	مارچ ۱۹۶۴ء
۵۸۔ اقبال اور سیاست ملی	رئیس احمد جعفری	مئی ۱۹۶۴ء
۵۹۔ روح اسلام۔ اقبال کی نظر میں	غلام عمر خاں	جولائی ۱۹۶۵ء
۶۰۔ مرقع اقبال	عارف علوی	اگست ۱۹۶۵ء
۶۱۔ حضرت سید صاحب اور ڈاکٹر اقبال	سید صباح الدین عبدالرحمٰن	جولائی ۱۹۶۷ء
۶۲۔ اقبال کی تعلیمات پر ایک نظر	شاہ معین الدین احمد ندوی	اکتوبر تا دسمبر ۱۹۷۱ء و جنوری ۱۹۷۲ء، ۴ر قسطیں
۶۳۔ افکار اقبال پیام مشرق کے آئینے میں	حافظ محمد طاہر علی	فروری ۱۹۷۲ء
۶۴۔ اقبال اور اسلامی فکر کی تشکیل جدید	ڈاکٹر عبدالمغنی	اگست ستمبر ۱۹۷۳ء
۶۵۔ کلام اقبال میں عورت کا درجہ	جگن ناتھ آزاد	جولائی ۱۹۷۵ء
۶۶۔ جاوید نامہ کے کردار	جگن ناتھ آزاد	دسمبر ۱۹۷۵ء
۶۷۔ اقبال، اسلام اور اشتراکیت	جگن ناتھ آزاد	جنوری تا مارچ ۱۹۷۶ء
۶۸۔ اقبال اور نطشے	جگن ناتھ آزاد	جون ۱۹۷۶ء
۶۹۔ اقبال اور عظمت آدم	جگن ناتھ آزاد	جولائی ۱۹۷۷ء
۷۰۔ تقدیر امم اور علامہ اقبال	ڈاکٹر محمد ریاض	اگست، ستمبر ۱۹۷۷ء
۷۱۔ اقبال بحیثیت غزل گو	سید محمد ہاشم	نومبر ۱۹۷۷ء
۷۲۔ اقبال کی یک صدی سالگرہ پر دہلی میں سمینار		نومبر ۱۹۷۷ء
۷۳۔ اقبال کا فکری ارتقاء	محمد عبدالسلام خاں	دسمبر ۱۹۷۷ء جنوری فروری ۱۹۷۸ء

۷۴۔ اقبال کے مداح اور نقاد	صوفی نذیر احمد کاشمیری	مئی ۱۹۷۸ء
۷۵۔ علامہ محمد اقبال کی صد سالہ سال گرہ کی بین الاقوامی کانگریس کا جشن	سید صباح الدین عبدالرحمٰن	جنوری تا مارچ ۱۹۷۸ء
۷۶۔ مثنوی اسرار خودی پر ایک نظر	ڈاکٹر سید وحید اشرف	اگست ۱۹۷۸ء
۷۷۔ اقبال کی نظم مسجد قرطبہ	سید محمد ہاشم	اکتوبر ۱۹۷۸ء
۷۹۔ اقبال اور نئی دنیا	ڈاکٹر عبدالمغنی	فروری ۱۹۷۹ء
۸۰۔ اقبال کی معنویت آج	سعید الظفر چغتائی	جون ۱۹۷۹ء
۸۱۔ رومی و اقبال کا تصور انسان	سید نعیم الدین امراوتی	اگست ۱۹۸۰ء
۸۲۔ اقبال کا فکری ارتقا پر تعاقب	مولانا عبدالسلام خاں	ستمبر۔اکتوبر ۱۹۸۰ء
۸۳۔ کلام اقبال میں رومی کی شعری تلمیحات	عبدالحمید یزدانی	جولائی۔اگست ۱۹۸۱ء
۸۴۔ اقبال انسٹی ٹیوٹ سری نگر کا ایک سمینار	صباح الدین عبدالرحمٰن	نومبر ۱۹۸۱ء
۸۵۔ زندہ رود (جسٹس جاوید اقبال)	صباح الدین عبدالرحمٰن	جنوری ۱۹۸۲ء
۸۶۔ اقبال پر دوسری بین الاقوامی کانگریس	صباح الدین عبدالرحمٰن	نومبر۔دسمبر ۱۹۸۳ء
۸۷۔ ابوعلی مسکویہ اقبال کی نظر میں	بدرالدین بٹ	مارچ ۱۹۸۷ء
۸۸۔ ابلیس و بشر اور اقبال	ڈاکٹر محمد منصور عالم	جون ۱۹۸۷ء
۸۹۔ ڈاکٹر ذاکر حسین اور علامہ اقبال	جگن ناتھ آزاد	جولائی ۱۹۸۷ء
۹۰۔ اقبال کا تصور زمان و مکاں اور صوفیہ	ڈاکٹر سید وحید اشرف	
۹۱۔ اقبال کی دو نظمیں قرآن کے آئینے میں	محمد بدیع الزماں	مارچ ۱۹۸۵ء
۹۲۔ روداد اقبال	پروفیسر جگن ناتھ آزاد	دسمبر ۱۹۸۵ء جنوری ۱۹۸۶
۹۳۔ کیا علامہ محمد اقبال یورپ کے فلسفہ سے متاثر تھے۔	سید صباح الدین عبدالرحمٰن	فروری ۱۹۸۴ء

۹۴۔	اقبال کی دو نظمیں	محمد بدیع الزماں	مارچ ۱۹۸۵ء
۹۵۔	ابلیس و بشر اور اقبال	محمد منصور عالم	جون ۱۹۸۷ء
۹۶۔	قل العفو۔ ''نظم صدیق''		اکتوبر ۱۹۸۷ء
۹۷۔	اسلام کا تصور زماں و مکاں اور صوفیہ	وحید عشرت	دسمبر ۱۹۸۷ء
۹۸۔	اقبال کی نظم کافر و مومن ۔قرآن کی روشنی میں	محمد بدیع الزماں	اگست ۱۹۸۸ء
۹۹۔	اقبال کے یہاں تصوف اور عقلیت	مولانا عبدالسلام خاں	ستمبر ۱۹۸۸ء
۱۰۰۔	اقبال کی نظم سنیما	محمد بدیع الزماں	جنوری۔فروری ۱۹۸۹ء
۱۰۱۔	اقبال اور دنیائے عرب	ڈاکٹر بدرالدین بٹ	جون ۱۹۸۹ء
۱۰۲۔	اقبال کی ایک رباعی قرآن کی روشنی میں	محمد بدیع الزماں	جولائی ۱۹۸۹ء
۱۰۳۔	اقبال اور سرزمین اندلس	محمد بدیع الزماں	دسمبر ۱۹۸۹ء
۱۰۴۔	اقبال کا فلسفہ خودی	محمد بدیع الزماں	اپریل ۱۹۹۰ء
۱۰۵۔	علامہ اقبال کا پی ایچ .ڈی. کا مقالہ	ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی	ستمبر ۱۹۹۰ء
۱۰۶۔	قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں	محمد بدیع الزماں	اکتوبر ۱۹۹۰ء
۱۰۷۔	خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احتراز کرے	محمد بدیع الزماں	مئی ۱۹۹۱ء
۱۰۸۔	علامہ اقبال کی چند پیشین گوئیاں	انعام اسحاق	جون ۱۹۹۱ء
۱۰۹۔	علامہ اقبال کا نظریہ عشق و خرد	عبدالرحمٰن سعید	اکتوبر ۱۹۹۱ء
۱۱۰۔	موت کہتے ہیں جسے اہل زمیں کیا راز ہے	محمد بدیع الزماں	دسمبر ۱۹۹۱ء

نمبر	عنوان	مصنف	تاریخ
۱۱۱۔	اقبال کا مردِ قلندر	محمد بدیع الزماں	فروری ۱۹۹۳ء
۱۱۲۔	خونِ جگر اور اقبال	محمد بدیع الزماں	جولائی ۱۹۹۳ء
۱۱۳۔	اقبال کے فلسفیانہ افکار کا ارتقاء	ڈاکٹر آفاق فاخری	اگست ۱۹۹۳ء
۱۱۴۔	اقبال کے کلام کی قرآنی تلمیحات کے اشارے	محمد بدیع الزماں	جنوری ۱۹۹۴ء
۱۱۵۔	اقبال کے کلام میں قرآنی آیات کے منظوم ترجموں کے اشاریے	محمد بدیع الزماں	جولائی ۱۹۹۴ء
۱۱۶۔	اقبال کے کلام میں قیصر کی اصطلاح	محمد بدیع الزماں	دسمبر ۱۹۹۴ء
۱۱۷۔	اقبال کی فارسی شاعری پر ایک اجمالی نظر	ڈاکٹر سید وحید اشرف	فروری۔مارچ ۱۹۹۵ء
۱۱۸۔	اقبال کے کلام میں یقین کی اصطلاح	محمد بدیع الزماں	مئی ۱۹۹۵ء
۱۱۹۔	اقبال کی ایک غزل کا تشریحی تجزیہ	تاج پیامی	جولائی ۱۹۹۵ء
۱۲۰۔	اقبال کی علمی جستجو	ڈاکٹر حبیب ریحان خاں	جنوری۔فروری ۱۹۹۶ء
۱۲۲۔	اقبال کے چند معروضات کی تشریح خود اقبال کی زبانی	محمد بدیع الزماں	جون ۱۹۹۶ء
۱۲۳۔	اقبال کے کلام میں خبر و نظر کی اصطلاح	محمد بدیع الزماں	نومبر ۱۹۹۶ء
۱۲۴۔	دی موسک آف کورڈ ویا	سلیم اے گیلانی	فروری ۱۹۹۷ء
۱۲۵۔	اقبال کے اردو کلام میں قرآن سے ماخوذ چند اصطلاحات	انعام الحق علمی	مارچ ۱۹۹۷ء
۱۲۶۔	تلوار ہے تیزی میں صہبائے مسلمانی	محمد بدیع الزماں	جولائی ۱۹۹۷ء
۱۲۷۔	ملفوظاتِ اقبال کی ادبی اہمیت	محمد یٰسین مظہر صدیقی	اگست۔ستمبر ۱۹۹۷ء
۱۲۸۔	ملفوظاتِ اقبال کی ادبی اہمیت استدراک	وارث ریاضی	فروری ۱۹۹۸ء

۱۲۹۔	علامہ اقبال کی مکتوب نگاری پر ایک نظر	پروفیسر اکبر رحمانی	اپریل ۱۹۹۸ء
۱۳۰۔	خطبات اقبال نئے تناظر میں	محمد سہیل عمر	جون ۱۹۹۸ء
۱۳۱۔	کلام اقبال میں عشق، خودی اور فقر کے اشارے	محمد بدیع الزماں	اگست ۱۹۹۸ء
۱۳۲۔	گوشوارہ کلیات اقبال	محمد بدیع الزماں	جنوری ۱۹۹۹ء
۱۳۳۔	تسہیل کلام اقبال۔ پیام مشرق	احمد جاوید	جنوری ۱۹۹۹ء
۱۳۴۔	بابا تاج الدین ناگپوری سے علامہ اقبال اور شاد کی عقیدت	اکبر رحمانی	فروری ۱۹۹۹ء
۱۳۵۔	اقبالیات لاہور	محمد سہیل عمر	مئی ۱۹۹۹ء
۱۳۶۔	قرطاس اقبال	مرزا محمد منصور	جولائی ۱۹۹۹ء
۱۳۷۔	فلسفے کے جدید نظریات	قاضی قیصر الاسلام	اکتوبر ۱۹۹۹ء
۱۳۸۔	زبور عجم۔ پنجابی ترجمہ	علی اکبر عباس	نومبر ۱۹۹۹ء
۱۳۹۔	الفاظ سے مشتق اقبال کی چند بصیرت افروز اصطلاحیں	محمد بدیع الزماں	اپریل ۲۰۰۰ء
۱۴۰۔	اقبال اور اسلام	ڈاکٹر محمد نعمان خاں	جولائی ۲۰۰۰ء
۱۴۱۔	علامہ اقبال کی مکتوب نگاری کی امتیازی خصوصیات	پروفیسر اکبر رحمانی	اکتوبر ۲۰۰۰ء
۱۴۲۔	علامہ اقبال کے کلام میں قرآنی تلمیحات	محمد بدیع الزماں	دسمبر ۲۰۰۰ء
۱۴۳۔	علامہ اقبال کا برقی علاج۔ بھوپال جانے کا مشورہ کس نے دیا؟	پروفیسر اکبر رحمانی	جنوری ۲۰۰۱ء
۱۴۴۔	حقیقت لمعہ	ماسٹر اختر حسین	اپریل ۲۰۰۱ء
۱۴۵۔	مطالعہ بیدل	مترجم تحسین فراخی	مئی ۲۰۰۱ء

۱۴۶۔	ماسٹر اختر حسین اور حقیقت لمعہ	اکبر رحمانی	ستمبر ۲۰۰۱ء
۱۴۷	اقبال کا تصور انا	حکیم الطاف احمد اعظمی	ستمبر۔اکتوبر ۲۰۰۱ء
۱۴۸	پس چہ باید کرد مع مسافر	مترجم خواجہ عبدالحمید یزدانی	نومبر ۲۰۰۱ء
۱۴۹	ایک درنا قبول	ماسٹر اختر حسین	دسمبر ۲۰۰۱ء
۱۵۰	مکاتیب اقبال کے مخصوص روش	اکبر رحمانی	اگست ۲۰۰۲ء
۱۵۱	علامہ اقبال اور احمدیت	وارث ریاضی	اکتوبر ۲۰۰۲ء
۱۵۲	کلیات اقبال میں انبیاء اور صحابہ پر اشعار کے اشاریے	محمد بدیع الزماں	نومبر ۲۰۰۲ء
۱۵۳	شکوہ جواب شکوہ۔انگریزی ترجمہ	سلطان ظہور اختر	فروری ۲۰۰۳ء
۱۵۴	۱۵۴۔کہ شاہین شہ لولاک ہے تو	محمد بدیع الزماں	ستمبر ۲۰۰۳ء
۱۵۵	تجدید فکریات اسلام	وحید عشرت	ستمبر ۲۰۰۳ء
۱۵۶	اقبال کا تصور وطن	انیس چشتی	ستمبر ۲۰۰۴ء
۱۵۷	اقبال کے کلام میں یوسف اور زلیخا	محمد بدیع الزماں	نومبر ۲۰۰۴ء
۱۵۸	مسلم اور مسلمان......اشعار اقبال کی معنویت	محمد بدیع الزماں	جولائی ۲۰۰۵ء
۱۵۹	تنقیدی تبصرے	اسلوب احمد انصاری	اکتوبر ۲۰۰۵ء
۱۶۰	اقبال کے تصور زماں پر اعتراضات کے جواب	طارق مجاہد جہلمی	فروری،مارچ ۲۰۰۶ء

اقبالیات معارف کے اس اشاریے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دارالمصنّفین کے ترجمان معارف نے علامہ اقبال کی سوانح،شاعری،تصنیفات اور فکر و فلسفہ پر کس قدر گراں مایہ مضامین و مقالات شائع کئے اور اس سے اقبال شناسی میں کس قدر مدد ملی۔اقبالیات کے بہت سے ایسے گوشے ہیں جن کا ذکر سب سے پہلے معارف میں آیا۔بعض اہل قلم کے مسلسل مضامین

شائع ہوئے جنہیں یکجا کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہوتا تو یقیناً اس کی افادیت دوچند ہو جاتی۔مثلاً ڈاکٹرعشرت حسن انور،ڈاکٹرجگن ناتھ آزاداور محمد بدیع الزماں کے مقالات۔یہ کام دارالمصنّفین اعظم گڑھ،اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیراوراقبال اکادمی لاہورکا تھامگردارالمصنّفین اپنے محدود وسائل کی وجہ سے یہ کام نہ کرسکا اور دوسرے اداروں نے توجہ نہ دی تاہم معارف کے مذکورہ مقالات کے جس قدر اثرات اقبال شناسی میں مرتب ہوئے وہ شاید ہی دنیائے اردو کے کسی اور رسالے کے حصے میں آئے ہوں۔ضرورت ہے کہ ماہنامہ معارف کی اقبال شناسی پر بھرپور مقالہ لکھا جائے۔

[۵]ان مقالات کے علاوہ اقبال شناسی کے آغاز سے اب تک جو اہم اور کتابیں علامہ اقبال کی سوانح اور فکروفن پر سپردقلم کی گئیں یا رسالوں کے اقبال نمبر شائع ہوئے، ماہنامہ معارف کے مبصرین نے ان کے تعارف وتجزیے کے ذریعہ بھی عظمت اقبال کے اظہار میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔افادیت کے پیش نظر یہاں ان کتابوں کی بھی فہرست درج کی جاتی ہے۔

۱۔	رموز بے خودی	علامہ اقبال	اپریل ۱۹۱۸ء
۲۔	ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر	ظفرعلی خاں	اپریل ۱۹۲۰ء
۳۔	کلیات اقبال	مرتبہ مولوی عبدالرزاق	جون ۱۹۲۶ء
۴۔	اقبال وشعر فارسی	آقائی سید محمد علی	جون ۱۹۲۹ء
۵۔	اخبار الدولۃ السلجوقیہ	مترجم علامہ اقبال	مارچ ۱۹۳۴ء
۶۔	مقالات یوم اقبال اردو انگریزی	الطاف حسین شوکت	اکتوبر ۱۹۳۹ء
۷۔	قرآن اور اقبال	مولوی ابو محمد مصلح	جنوری ۱۹۴۱ء
۸۔	یاد اقبال	غلام سرور فگار	مارچ ۱۹۴۱ء
۹۔	اقبال کا مطالعہ	سید نذیر نیازی	اپریل ۱۹۴۲ء
۱۰۔	روح اقبال	یوسف حسین خاں	جون ۱۹۴۲ء
۱۱۔	شاد اقبال	محی الدین قادری زور	مارچ ۱۹۴۳ء

۱۲۔ Iqbal as a thinker		جنوری ۱۹۴۶ء
۱۳۔ Metaphysics of Iqbal	عشرت حسن انور	جنوری ۱۹۴۶ء
۱۴۔ رموز اقبال	ڈاکٹر میر ولی الدین	اگست ۱۹۴۶ء
۱۵۔ آثار اقبال	غلام دستگیر رشید	ستمبر ۱۹۴۶ء
۱۶۔ مقالات یوم اقبال	آل احمد سرور	نومبر ۱۹۴۶ء
۱۷۔ اقبال خواتین کی نظر میں	یکتا امروہوی	ستمبر ۱۹۴۷ء
۱۸۔ اقبال بحیثیت مفکر، انگریزی	ڈاکٹر محمد حمید اللہ	اپریل ۱۹۴۸ء
۱۹۔ اصلاحات اقبال	بشیر الحق دسنوی	نومبر ۱۹۵۱ء
۲۰۔ اقبال کی کہانی	ڈاکٹر ظہیر الدین	ستمبر ۱۹۵۲ء
۲۱۔ نقد اقبال	میکش اکبر آبادی	دسمبر ۱۹۵۳ء
۲۲۔ ببلیوگرافی آف اقبال	عبدالمغنی وفور الٰہی	اگست ۱۹۵۵ء
۲۳۔ مکاتیب اقبال		ستمبر ۱۹۵۵ء
۲۴۔ اقبال اور مسٹر	منشی عبدالرحمٰن	جنوری ۱۹۵۷ء
۲۵۔ فکر اقبال	خلیفہ عبدالحکیم	فروری ۱۹۵۹ء
۲۶۔ اقبال کا سیاسی کارنامہ	محمد احمد خاں	فروری ۱۹۵۹ء
۲۷۔ اقبال کا نظریہ اخلاق	سعید احمد رفیق	فروری ۱۹۶۱ء
۲۸۔ حدیث اقبال	طیب عثمانی	فروری ۱۹۶۲ء
۲۹۔ اقبال کے آخری دو سال	عاشق حسین بٹالوی	اپریل ۱۹۶۲ء
۳۰۔ اقبال اور ان کا عہد	جگن ناتھ آزاد	اپریل ۱۹۶۳ء
۳۱۔ روائع اقبال	سید ابوالحسن علی ندوی	مارچ ۱۹۶۴ء
۳۲۔ اقبال اور سیاست ملی	رئیس احمد جعفری	مئی ۱۹۶۴ء
۳۳۔ روح اسلام اقبال کی نظر میں	غلام عمر خاں	جولائی ۱۹۶۵ء

۳۴۔ مرقع کلام اقبال	عصمت عارف علوی	اگست ۱۹۶۵ء
۳۵۔ علامہ اقبال بھوپال میں	عبدالقوی دسنوی	اگست ۱۹۶۷ء
۳۶۔ انوار اقبال	بشیر احمد ڈار	اکتوبر ۱۹۶۷ء
۳۷۔ اقبال کے ابتدائی افکار	ڈاکٹر عبدالحق	نومبر ۱۹۶۹ء
۳۸ تلمیحات و اشارات اقبال	اکبر حسین قریشی	اپریل ۱۹۷۲ء
۳۹۔ نقوش اقبال	سید ابوالحسن علی ندوی	مارچ ۱۹۷۱ء
۴۰۔ اقبالیات	عبدالقوی دسنوی	فروری ۱۹۷۸ء
۴۱۔ شہرازہ سری نگر اقبال نمبر	مدیر: رسید نازکی	اپریل ۱۹۷۸ء
۴۲۔ ماہنامہ معارف لاہور اقبال نمبر	مدیر: عبداللہ قریشی	اپریل ۱۹۷۸ء
۴۳۔ ماہنامہ آج کل اقبال نمبر	مدیر: شہناز حسین	اپریل ۱۹۷۸ء
۴۴۔ جامعہ دہلی اقبال نمبر	مدیر: عبداللطیف اعظمی	ستمبر ۱۹۷۸ء
۴۵۔ اقبال کے ممدوح علماء	افضل حق قریشی	ستمبر ۱۹۷۹ء
۴۶۔ اقبال اور مغربی مفکرین	جگن ناتھ آزاد	جون ۱۹۸۱ء
۴۷۔ زندہ رود	جاوید اقبال	جنوری ۱۹۸۲ء
۴۸۔ علامہ اقبال۔ مصلح قرن آخر	کبیر احمد جائسی	دسمبر ۱۹۸۲ء
۴۹۔ اقبال اور تصوف	آل احمد سرور	مئی ۱۹۸۳ء
۵۰۔ محمد اقبال	کبیر احمد جائسی	دسمبر ۱۹۸۳ء
۵۱۔ زندہ رود سوم	جاوید اقبال	اکتوبر ۱۹۸۵ء
۵۲۔ محبِّ وطن اقبال	سید مظفر حسین برنی	اپریل ۱۹۸۶ء
۵۳۔ پیام اقبال	محمد بدیع الزماں	فروری ۱۹۸۸ء
۵۴۔ سرسید اقبال اور علی گڑھ	اصغر عباس	ستمبر ۱۹۸۸ء
۵۵۔ طواسین اقبال (دوم۔سوم)	ایس۔ ایم عمر فاروق	ستمبر ۱۹۹۰ء

۵٦۔ اقبال کا تصور بقائے دوام	ڈاکٹر نعیم احمد	ستمبر ١٩٩٠ء
۵۷۔ علامہ اقبال کا پی ایچ ڈی کا مقالہ	محمد صدیق شبلی	ستمبر ١٩٩٠ء
۵۸۔ اقبال ١٩٨۵ء	ڈاکٹر وحید عشرت	ستمبر ١٩٩٠ء
۵۹۔ اقبال بحیثیت مفکر پاکستان	ڈاکٹر عبدالحمید	ستمبر ١٩٩٠ء
٦٠۔ من اے میر امم............	غلام علی چودھری	ستمبر ١٩٩٠ء
٦١۔ نفائس اقبال	شیما مجید	ستمبر ١٩٩٠ء
٦٢۔ سلسلہ در سیاست اقبال	پروفیسر عبدالرشید	ستمبر ١٩٩٠ء
٦٣۔ اقبال اور عالمی ادب	ڈاکٹر عبدالمغنی	ستمبر ١٩٩٠ء
٦۴۔ اقبال کا نظام فن	ڈاکٹر عبدالمغنی	ستمبر ١٩٩٠ء
٦۵۔ ماہنامہ شاعر اقبال نمبر	مدیر: افتخار امام	نومبر ١٩٩٠ء
٦٦۔ ایقان اقبال (فارسی)	پروفیسر محمد منور	مارچ ١٩٩١ء
٦٧۔ اقبال اور قائد اعظم	پروفیسر احمد سعید	مارچ ١٩٩١ء
٦٨۔ ایقان اقبال	مرزا محمد منصور	اپریل ١٩٩١ء
٦٩۔ Gabrists wing	این میری	جنوری ١٩٩٢ء
٧٠۔ اقبال فکر و فن	ڈاکٹر سید محمد ہاشم	اگست ١٩٩١ء
٧١۔ میزان اقبال (فارسی)	پروفیسر محمد منصور	فروری ١٩٩۴ء
٧٢۔ مکاتیب اقبال بنام سید سلیمان ندوی	سید شفقت رضوی	جون ١٩٩۴ء
٧٣۔ فلسفہ اقبال، خطبات کی روشنی میں	پروفیسر وحید الدین	دسمبر ١٩٩۴ء
٧۴۔ فکر اقبال کے سرچشمے	ڈاکٹر آفاق فاخری	جون ١٩٩۵ء
٧۵۔ اسرار خودی	شائستہ خاں	مارچ ١٩٩٦ء
٧٦۔ اقبال نامے	ڈاکٹر اخلاق اثر	اپریل ١٩٩٦ء

۷۷۔ افکار اقبال (تشریحات جاوید)	ڈاکٹر جاوید اقبال	جون ۱۹۹۶ء
۷۸۔ اقبال فکر و فن کے آئینے میں	احمد ہمدانی	جون ۱۹۹۶ء
۷۹۔ اقبال اور مغربی مفکرین	جگن ناتھ آزاد	نومبر ۱۹۹۶ء
۸۰۔ خطبات اقبال۔ ایک جائزہ	محمد شریف بقا	اپریل ۱۹۹۷ء
۸۱۔ اقبال اور ظفر علی خاں	جعفر بلوچ	اکتوبر ۱۹۹۸ء
۸۲۔ اقبال کی اردو نثر ایک مطالعہ	زیب النساء	جنوری ۱۹۹۹ء
۸۳۔ اقبالیات آزاد	محمد اسد اللہ دوانی	فروری ۲۰۰۰ء
۸۴۔ نوادر اقبال یورپ میں	ڈاکٹر اختر سعید درانی	مئی ۲۰۰۰ء
۸۵۔ مرقع اقبال	پروفیسر جگن ناتھ آزاد	اکتوبر ۲۰۰۰ء
۸۶۔ سفرنامہ اقبال	حمزہ فاروقی	دسمبر ۲۰۰۰ء
۸۷۔ جگن ناتھ آزاد بطور اقبال شناس	یاسمین کوثر	مارچ ۲۰۰۲ء
۸۸۔ اشاریہ اقبالیات	اختر النساء	جولائی ۲۰۰۲ء
۸۹۔ جہان اقبال	ڈاکٹر سید معین الرحمٰن	مارچ ۲۰۰۳ء
۹۰۔ ارمغان مشرق	عبدالعلیم صدیقی	مئی ۲۰۰۳ء
۹۱۔ اقبال کا ادبی نصب العین	ڈاکٹر سلیم اختر	اپریل ۲۰۰۵ء
۹۲۔ ابتدائی کلام اقبال	گیان چند جین	جولائی ۲۰۰۵ء
۹۳۔ اقبال جدید تنقیدی تناظرات	اسلوب احمد انصاری	جون ۲۰۰۶ء
۹۴۔ اقبال کے اشعار پر زعفرانی یلغار	یعقوب یاور	نومبر ۲۰۰۶ء

[۶] علامہ اقبال کو منظوم خراج عقیدت پیش کرنے کا اردو میں ایک طویل سلسلہ ہے۔ چنانچہ ماہنامہ معارف نے علامہ اقبال کی شخصیت اور فکر و فن پر متعدد شعراء کی نظمیں شائع کی ہیں، جن کی فہرست یہ ہے:

۱۔ سوال بہ اقبال	محمد اسد خاں	فروری ۱۹۳۱ء

۲۔	ماتم اقبال	یحییٰ اعظمی	مئی ۱۹۸۳ء
۳۔	پیام اقبال	نکہت شاہ جہاں پوری	مئی ۱۹۴۴ء
۴۔	مقام مسلم	محمد سراج الحق	اپریل ۱۹۵۵ء
۵۔	اقبال	عبدالرؤف	اگست ۱۹۶۳ء
۶۔	نذر اقبال	خورشید افسر بسوانی	ستمبر ۱۹۶۵ء
۷۔	تضمین بر کلام اقبال	منشاء الرحمٰن خاں	ستمبر ۱۹۷۲ء
۸۔	یاد اقبال	سید حسن سرمد	اپریل ۱۹۷۵ء
۹۔	افکار اقبال	صالحہ عرشی	ستمبر ۱۹۷۸ء
۱۰۔	مزار اقبال پر	جگن ناتھ آزاد	جنوری ۱۹۸۴ء
۱۱۔	مزار اقبال پر حاضری	محمد حسین فطرت	اپریل ۱۹۹۵ء
۱۲۔	اقبال	امین عالم	اپریل ۱۹۹۶ء

ان فہارس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اقبال شناسی میں مبصرین معارف اور دبستان شبلی کے آرگن معارف کا کس قدر اہم حصہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ماہ نامہ معارف کے مبصرین نے اقبالیاتی ادب کے مطالعہ و جائزہ اور اس کے تعارف و تبصرہ کو خاصی اہمیت دی۔ یہ اصلاً شبلی، سید سلیمان ندوی اور عبدالسلام ندوی کی اقبال شناسی کی روایت کا حصہ ہے اور بلاشبہ اقبال کی شخصیت اور شاعری، اس قدر متنوع اور پر کشش ہے ہی کہ اس سے کوئی شخص صرف نظر نہیں کر سکتا۔

دبستان شبلی کے اہل قلم نے فکر و نظر کی ہم آہنگی کے سبب اقبال کو ہمیشہ اپنا خیال کیا اور بانی دارالمصنّفین سے نظریاتی ہم آہنگی کی وجہ سے علامہ اقبال ان کے محبوب رہے۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو علامہ اقبال دبستان شبلی ہی کے ایک فرد معلوم ہوتے ہیں۔ شیخ محمد اکرام نے علامہ شبلی کو سرسید تحریک کے ردعمل کا نتیجہ قرار دیا تھا۔ اگر یہ سچ ہے تو اقبال اس ردعمل کا اصل نتیجہ قرار دئے جانے کے مستحق ہیں۔

حوالے

(۱) اقبال نامہ حصہ اول۔ص۸۰۔مرتبہ شیخ عطاء اللہ۔مطبوعہ لاہور

(۲) مشاہیر کے خطوط۔ص۱۱۸

(۳) شذرات سلیمانی حصہ دوم ص۵۱

کتابیات

۱۔ آثار شبلی، ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، دار المصنّفین اعظم گڑھ ۲۰۱۳ء

۲۔ اشاریہ صدق لکھنؤ، عبد العلیم قدوائی، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ

۳۔ اقبال اور پیروی شبلی، سید افتخار حسین شاہ، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۱۹۷۸ء

۴۔ اقبال اور سید سلیمان ندوی۔ طاہر تونسوی، مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۷۷ء

۵۔ اقبال اور علمائے پاک و ہند، اعجاز الحق قدوسی، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۷ء

۶۔ اقبال اور مشاہیر، طاہر تونسوی، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۱۹۸۱ء

۷۔ اقبال کامل، مولانا عبد السلام ندوی، دار المصنّفین اعظم گڑھ ۲۰۱۰ء

۸۔ اقبال نامہ حصہ اول، مرتبہ شیخ عطاء اللہ۔ مطبوعہ لاہور

۹۔ اقبالیات اور قرۃ العین حیدر۔ عبد الواحد معینی، اقبال اکادمی لاہور۔ ۲۰۰۹ء

۱۰۔ اقبالیات ماجد، اقبال اکیڈمی حیدر آباد، ۱۹۷۷ء

۱۱۔ دار المصنّفین کی تاریخی خدمات، محمد الیاس الاعظمی خدا بخش اورینٹل پبلک لائبری پٹنہ۔ ۲۰۰۲ء

۱۲۔ زندہ رود (وسطی دور) جسٹس جاوید اقبال، شیخ غلام اینڈ سنس لاہور ۱۹۸۱ء

۱۳۔ سوانح مولانا روم، علامہ شبلی، مطبوعہ دار المصنّفین اعظم گڑھ۔ ۲۰۱۰ء

۱۴۔ سیر افغانستان، مولانا سید سلیمان ندوی۔ نفیس اکیڈمی کراچی۔ ۱۹۴۵ء

۱۵۔ شبلی معاصرین کی نظر میں، اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ۔ ۲۰۰۵ء

۱۶۔ شذرات سلیمانی، حصہ اول، دارالمصنّفین اعظم گڑھ ۱۹۹۰ء

۱۷۔ شذرات سلیمانی، حصہ دوم، دارالمصنّفین اعظم گڑھ ۱۹۹۷ء

۱۸۔ شذرات سلیمانی، حصہ سوم، دارالمصنّفین اعظم گڑھ ۱۹۹۸ء

۱۹۔ عظمت رفتہ۔ ضیاء الدین برنی، ادارہ علم وفن کراچی۔ ۲۰۰۰ء

۲۰۔ علم الاقتصاد، علامہ اقبال۔ اقبال اکادمی کراچی۔ طبع دوم

۲۱۔ فکر اقبال، خلیفہ عبدالحکیم، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، ۱۹۷۷ء

۲۲۔ فلسفہ تعلیم، خواجہ غلام الحسنین پانی پتی، انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ، ۱۳۳۹ھ طبع دوم

۲۳۔ کلیات سہیل، مرتبہ عارف رفیع، بمبئی ۱۹۸۸ء

۲۴۔ کلیات مکاتیب اقبال حصہ اول، اردو اکادمی دہلی۔ ۱۹۹۱ء

۲۵۔ گاہے گاہے باز خواں............، شعیب اعظمی، الکتاب انٹرنیشنل دہلی، ۲۰۰۷ء

۲۶۔ مشاہیر کے خطوط، مطبوعہ دارالمصنّفین اعظم گڑھ (ب ت)

۲۷۔ نوائے حیات، یحییٰ اعظمی، معارف پریس اعظم گڑھ، ۱۹۵۰ء

۲۸۔ نوائے عصر، یحییٰ اعظمی، معارف پریس اعظم گڑھ، ۱۹۷۰ء

۲۹۔ یاد رفتگاں۔ سید سلیمان ندوی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ۔ ۱۹۹۳ء

۳۰۔ یگانہ روزگار مولانا عبدالسلام ندوی، ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ادبی دائرہ اعظم گڑھ ۲۰۱۳ء

رسائل

۳۱۔ ادیب علی گڑھ، ماہنامہ [شبلی نمبر] ستمبر ۱۹۶۰ء

۳۲۔ معارف، ماہنامہ: اپریل، جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۱۸ء۔ مئی ۱۹۲۲ء۔ جنوری، فروری، جولائی ۱۹۵۰ء، اکتوبر ۱۹۷۱ء۔ نومبر ۱۹۸۱ء۔ فروری ۱۹۸۴ء۔



Price : ₹